www.KitaboSunnat.com

شرح
العقیدۃ الواسطیۃ
کا اردو ترجمہ
صحیح اسلامی عقائد

شیخ الاسلام احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

شارح
شیخ محمد خلیل ہراس

مترجم
جاوید احمد عمری

مراجعہ
ساجد اسید ندوی

www.KitaboSunnat.com

شرح العقيدة الواسطية

کا اردو ترجمہ

صحیح اسلامی عقائد

شیخ الاسلام احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

شارح

شیخ محمد خلیل ھراس

مترجم

جاوید احمد عمری

مراجعہ

ساجد اسید ندوی

MAKTABA AL-FAHEEM
Raihan Market. 1st Floor. Dhobia Imli Road
Sadar Chowk, Maunath Bhanjan - (U.P.) 275101
Ph.: (O) 0547-2222013 Mob 9236761926, 9889123129, 9336010224
Email maktabaalfaheemmau@gmail.com
WWW faheembooks com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق محفوظ ھیں

نام کتاب	:	شرح العقیدۃ الواسطیۃ (اردو)
تالیف	:	شیخ الاسلام احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ
شارح	:	شیخ محمد خلیل ہراس
مترجم	:	جاوید احمد عمری
مراجعہ	:	ساجد اسید ندوی
طابع و ناشر	:	مکتبۃ الفہیم، مئوناتھ بھنجن یوپی
سال اشاعت	:	مارچ ۲۰۱۱ء
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار ایک سو
صفحات	:	208
قیمت	:	110/00

MAKTABA AL-FAHEEM

Raihan Market 1st Floor, Dhobia Imli Road
Sadar Chowk, Maunath Bhanjan - (U.P.) 275101
Ph (O) 0547-2222013, Mob 9236761926, 9889123129 9336010224
Email maktabaalfaheemmau@gmail.com
WWW.faheembooks.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عرض ناشر

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین محمد وعلیٰ الہ وصحبہ اجمعین وبعد!

شرح العقیدۃ الواسطیہ ہندوستان ودیگر ممالک کے مدارس وجامعات کے نصاب میں داخل ہے۔اس کتاب میں عقیدۂ سلف کو قرآن وصحیح احادیث کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے ساتھ ہی ساتھ باطل فرقوں کے اعتقادات کو دلائل کی روشنی میں رد کیا گیا، عرصہ سے یہ مطالبہ ہوتا رہا ہے کہ اس کتاب کو اردو قالب میں ڈھال دیا جائے، تاکہ اس کا فائدہ عام ہو، لیکن محض اس بنا پر کہ اس سے طلباء کی استعداد میں کمی ہوگی اور وہ اس ترجمہ پر انحصار کرتے ہوئے استاذ کے درس سے بے رغبتی برتیں گے اس کے ترجمہ کی اشاعت سے اجتناب کیا جاتا رہا لیکن جب یہ محسوس ہوا کہ کہ عوام الناس کے اعتقاد میں بگاڑ آنا شروع ہوگیا ہے اور ان کے عقائد بعض باطل فرقوں کے اختلاط کی وجہ سے خراب ہورہے ہیں تو شدت سے ضرورت محسوس کی گئی کہ عقیدہ کے موضوع پر اس اہم مختصر مگر جامع کتاب کا ترجمہ شائع کردیا جائے، چنانچہ کتاب قارئین کے ہاتھوں میں ہے، امید ہے کہ اس سے تصحیح عقائد میں کافی حد تک مدد ملے گی اور اس کے مطالعہ سے بعض ان چیزوں سے بھی بچا جاسکتا ہے جن پر بے توجہی سے بسا اوقات آدمی نادانستہ طور پر کفر وشرک کا مرتکب ہوجاتا ہے۔

مدیر

مکتبہ الفہیم

مئوناتھ بھنجن، مئو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

عقیدہ انسانی زندگی کا سب سے اہم اور بنیادی مسئلہ ہے، انسان کے ہر قسم کے افکار و اعمال کا منبع و سرچشمہ اس کا عقیدہ ہی ہوتا ہے، اس لئے درست اور مبنی بر صحت افکار و اعمال کا وجود درست اور صحیح عقیدہ کے وجود سے مربوط اور وابستہ ہے، اسلامی نقطۂ نظر سے انسان کے کسی بھی نیک اور اچھے عمل کی صحت و قبولیت اور اس کی اخروی نجات و کامیابی کا انحصار تمام تر عقیدہ کی صحت و درستگی پر ہے، صحت عقیدہ کے بغیر عنداللہ انسان کے عظیم سے عظیم تر اور بہتر سے بہتر عمل کی بھی کوئی قیمت و وقعت نہیں، قرآن مجید میں اس حقیقت کو مختلف پیرائے میں متعدد مقامات پر اجاگر کیا گیا ہے، صحت عقیدہ کے بغیر انجام دیئے گئے اعمال خیر کو کہیں "سراب" (چمکتی ہوئی ریت) سے تشبیہ دیا گیا ہے جو چٹیل میدان میں ہو، جسے پیاسا دور سے پانی سمجھتا ہے لیکن جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو اسے کچھ نہیں پاتا (نور: ۳۹) تو کہیں راکھ سے جس پر آندھی والے دن تیز ہوا چلے (اور اسے اڑالے جائے) (ابراہیم: ۱۸) اور کہیں اس صاف اور چکنے پتھر سے جس پر تھوڑی سی مٹی ہو پھر اس پر زوردار مینہ برسے اور اسے بالکل صاف اور سخت چھوڑ دے (بقرہ: ۲۶۴) جبکہ ایک جگہ بالکل واشگاف انداز میں یوں فرمایا گیا ہے:۔

"انہوں نے جو اعمال کئے ہیں ہم ان کی طرف متوجہ ہو کر انہیں پراگندہ ذروں کی طرح کردیں گے" (الفرقان: ۲۳)

عقیدہ سے متعلق تمام امور و مسائل بنیادی طور پر توقیفی ہیں اور اصلا ایمان بالغیب سے تعلق رکھتے ہیں، اس لیے ان کے بارے میں وحی الٰہی (کتاب وسنت) کی صراحتوں پر انحصار کے بغیر چارہ نہیں، عقیدہ سے متعلق امور و مسائل کو عقل و رائے کے ترازو میں تولنا اور قیاس و منطق کی بنیادوں پر انہیں موضوع بحث و گفتگو بنانا نہ صرف یہ کہ ایک فضول و لایعنی عمل ہے بلکہ موجب ہلاکت و گمراہی حرکت ہے۔ ایک مسلمان کی ذمہ داری فقط یہ ہے کہ وہ اس بارے میں قرآن وسنت میں جو کچھ اور جیسا کچھ وارد ہے انہیں بلا چوں و چرا تسلیم کرنے پر اکتفا کرے اور بس۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس امت کا اولین گروہ (گروہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین) جسے رضائے الٰہی کی خلعت بے بہا اور تمغۂ بے مثال سے اسی دنیا میں نواز دیا گیا اور بعد والوں کے لیے جس کے ایمان وعمل کو معیار اور کسوٹی قرار دیا گیا، اپنے طرز عمل سے امت کے لیے یہی نمونہ اور اسوہ قائم کر گیا، حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی جماعت عملی جماعت تھی، ان کی تربیت تسلیم ورضا کے ساتھ عملی بنیادوں پر ہوئی تھی اس لیے ان کے یہاں عقیدہ کے ان جزئیات ومسائل سے تعرض کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا جن کا عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں، علاوہ ازیں وہ خالص عرب تھے اور قرآن وسنت کے کسی لفظ کے مدلول ومفہوم، وسعت وگہرائی اور اس کے تقاضوں تک رسائی کی صلاحیت سے بہت حد تک بہرہ ور تھے، لیکن جب ان کے بعد امت کی عملی اسپرٹ میں کمی آئی اور دوسری طرف یونانی اور غیر عربی واسلامی علوم وفنون سے تعارف، غیر قوموں سے اختلاط اور پھر ان سے تاثر کے نتیجے میں قیاس ورائے اور منطق وفلسفہ کی بحثوں نے زور پکڑا تو عقیدہ سے متعلق امور ومسائل کو بھی عقل ونظر کی کسوٹی پر پرکھنے اور منطق وقیاس کے محدود پیمانوں سے ناپنے کی بیجا اور ناروا کوششیں شروع ہوگئیں، صفات الٰہی کو بحث وگفتگو کا موضوع بنایا جانے لگا اور تقدیر کے مسئلہ پر مباحثوں کی محفلیں گرم ہونے لگیں وغیرہ، یوں ایمان وعقیدہ کے باب میں مختلف قسم کے انحرافات کا ظہور ہوا، جہمیت، قدریت اور جبریت وغیرہ مختلف فتنوں نے جنم لیا اور یہ امت عقیدہ کے سلسلے میں شدید قسم کی آزمائشوں سے دوچار ہوئی، ان حالات میں علماء امت نے عقیدۂ اسلامیہ کی حفاظت وتنقیح اور فرق باطلہ اوران کے افکار فاسدہ کی تردید وبیخ کنی کا بیڑا اٹھایا اور جہاد باللسان کے ساتھ جہاد بالقلم کا فریضہ بھی سرانجام دینے کا فیصلہ کیا، اس طرح عقیدہ کے موضوع پر تالیفات کا سلسلہ شروع ہوا اور اب تک مسلسل یہ سلسلہ جاری وساری ہے، علامہ بدیع الدین شاہ راشدیؒ نے ہدایۃ المستفید اردو ترجمہ فتح المجید شرح کتاب التوحید پر اپنے محققانہ اور فاضلانہ مقدمہ میں عقیدہ کے موضوع پر مختلف صدیوں میں لکھی گئی کتابوں کی ایک جامع اور مرتب فہرست نقل کر دی ہے، اصحاب ذوق رجوع کر سکتے ہیں۔

اسلامی تاریخ میں آٹھویں صدی ہجری کو اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صدی سے موسوم کیا جا سکتا ہے، یہ صدی کئی اعتبار سے مسلمانوں کیلئے انتہائی پر آشوب اور دینی و دنیوی آزمائشوں کی صدی ہے، لیکن اللہ نے اس پر آشوب دور میں امت اسلامیہ کو دیگر بہت سے عظیم محققین و محدثین کے علاوہ امام ابن تیمیہؒ جیسی نادرۂ روزگار اور ہمہ جہت و ہمہ صفت موصوف شخصیت سے نوازا، جنہوں نے اپنی زبردست علمی و عملی لیاقت وصلاحیت اور مجددانہ و مجتہدانہ بصیرت و عزیمت سے امت کی فکری اور عملی زندگی کو نیا رخ عطا کیا اور اپنی زبانی و قلمی کاوش و جہاد سے اسلام کو حیات تازہ بخشی، یوں تو رب دو جہاں کی طرف سے امام ابن تیمیہؒ کو تمام ہی اسلامی علوم وفنون میں مجتہدانہ بصیرت اور مجددانہ شان کی دولت سے سرفراز کیا گیا تھا جیسا کہ ان کے بہت سے معاصرین نے کھلے لفظوں میں اس کا اعتراف واقرار کیا ہے (ملاحظہ ہو تذکرہ از مولانا ابوالکلام آزادؒ) اور انہوں نے اپنی تجدیدی مساعی اور زبانی و تحریری کاوشوں کے ذریعہ اسلام کے تقریبا تمام ہی پہلوؤں کو زندگی اور تابندگی بخشی لیکن خاص عقائد صحیحہ وسلیمہ کی ترویج واشاعت اور تنقیح وحفاظت اور عقائد باطلہ و منحرفہ کی تردید و مذمت کے باب میں انہیں جو خاص شان اور نمایاں مقام حاصل ہوا وہ کسی اور کے حصہ میں نہیں آیا، ان کے بعد جو لوگ بھی اس میدان میں قدم زن ہوئے وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ انہی کے منتسبین یا خوشہ چیں میں سے تھے، بہرحال امام ابن تیمیہ نے عقیدہ سے متعلق مختلف موضوعات پر متعدد رسائل و کتب تصنیف فرمائی ہیں، ان میں ایک مختصر رسالہ "العقیدۃ الواسطیۃ" کے نام سے ہے جسے امام موصوف نے "واسط" کے ایک قاضی کے غیر معمولی اصرار پر محض عصر کے بعد کی ایک بیٹھک میں تحریر فرمایا تھا، اختصار کے باوجود نصوص کتاب وسنت سے مزین یہ ایک انتہائی جامع رسالہ ہے، چنانچہ اختصار کے ساتھ اسی جامعیت کی بنا پر اسے بہت سے مدارس و معاہد کے نصاب میں شامل کیا گیا ہے جبکہ متعدد عرب علماء نے اس کی شرحیں بھی لکھی ہیں، زیر نظر کتاب انہیں میں سے ایک شرح کا اردو قالب ہے جو ایک نوجوان فاضل برادرم مولوی جاوید عمری کی قلمی کاوش کا نتیجہ ہے، اصل شرح عربی میں "فضیلۃ الشیخ خلیل ہراس" کی تالیف ہے اور عقیدہ سے متعلق تقریبا تمام ہی پہلوؤں کو محیط متوسط حجم کی ایک جامع شرح ہے، یوں اس ترجمہ کو اردو داں طبقہ کیلئے عقیدہ کے باب میں ایک قیمتی سوغات اور اہم علمی و دینی تحفہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملک کے مشہور ومعتبر اشاعتی ادارہ مکتبہ الفہیم مئوناتھ بھنجن، یوپی کے ایماء پر راقم نے اس پر نظر ثانی کا فریضہ انجام دیا ہے، راقم نے ترجمہ کا از اول تا آخر اصل کتاب سے موازنہ کیا، بحمد اللہ عزیز مترجم نے بڑی خوش اسلوبی وسلاست کے ساتھ ترجمہ کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے، جن مقامات پر عبارت کا ترجمہ چھوٹ گیا تھا یا ترجمہ عبارت سے کچھ ہٹا ہوا نظر آرہا تھا راقم نے اپنی بساط بھران کی تلافی واصلاح کردی ہے، مترجم موصوف نے بیشتر مقامات پر اشعار کا ترجمہ نہیں کیا تھا اس نے اس کمی کو بھی حتی الوسع دور کردیا ہے، تاہم راقم کی حیثیت بھی چونکہ اس میدان کے نو وارد اور نو آموز کی ہے اسلئے عین ممکن ہے کہ اس سے اس بارے میں کوتاہیاں ہوئی ہوں، اصحاب ذوق اور اہل علم حضرات سے مخلصانہ ومؤدبانہ گذارش کی جاتی ہے کہ اس بارے میں ہوئی فروگذاشتوں کے سلسلے میں رہنمائی فرماکر ممنون فرمائیں اور شکریہ کا موقع دیں۔

آخر میں اس ترجمہ کے ایک منفی پہلو کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ یہ کتاب بہت سے مدارس میں شامل نصاب ہے، درسی کتابوں کے ترجموں نے طلبہ میں درس سے بے اعتنائی اور اساتذہ کی تقریروں سے بے توجہی کا عام ماحول پیدا کردیا ہے، تاہم اگر باذوق طلبہ اس سے ترجمہ نگاری کے اسلوب اور طریقہ میں کچھ حد تک مدد لینے کی سوچ لیں تو اس منفی پہلو کو مثبت پہلو سے تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اس کوشش کو صحیح عقیدہ کی ترویج واشاعت کا بہتر اور عمدہ ذریعہ بنائے اور راقم، مؤلف وشارح اور مترجم وناشرین سے ہر ایک کی اخروی نجات وکامیابی کا وسیلہ بنادے، آمین۔

۲۰ر دسمبر ۲۰۱۰ء

محمد ساجد اسید ندوی (بنی پٹی، مدھوبنی)
مدرس معہد علوم الحدیث
وامام وخطیب مسجد تقوی، ٹولی چوکی
حیدرآباد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تسمیہ

بسم اللہ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا یہ ہر ایک سورہ کی ایک آیت ہے جس سے سورتوں کا آغاز ہوا ہے یا سورتوں کے درمیان فصل اور حصول برکت کے لئے نازل شدہ ایک مستقل آیت ہے، اور یہی دوسرا موقف پسندیدہ ہے، جب کہ متفقہ طور پر یہ سورۂ نمل کی ایک آیت کا جزو ہے، اور سورۂ انفال وتوبہ چونکہ اپنے مضامین کی یکسانیت کی بنا پر ایک سورہ کے حکم میں ہیں سورۂ توبہ کی ابتداء میں بسم اللہ کے ذکر نہ کرنے پر بھی علماء کا اتفاق ہے۔

بسم اللہ میں با حرف جر استعانت کا ہے جو ایک ایسے محذوف سے متعلق ہے جسے بعض نے فعل تو بعض نے اسم مانا ہے، دونوں صورتیں درست اور متقارب ہیں کیونکہ قرآن کریم میں دونوں کی نظیر موجود ہے، فعل مقدر ماننے کی دلیل سورۂ علق کی پہلی آیت "اقرأ باسم ربک الذی خلق" اور اسم محذوف ماننے کی دلیل سورۂ ھود کی اکتالیسویں آیت بسم اللہ مجریھا ہے، با کے متعلق کو مؤخر ماننا بہتر ہے کیونکہ اسم تقدیم کا زیادہ مستحق ہے نیز جار مجرور کی تقدیم سے حصول برکت کے لئے اللہ کے باعزت نام کی خصوصیت ثابت ہوتی ہے۔

اسم: — کسی معنی کی تعیین وتمیز کے لئے وضع شدہ لفظ اسم کہلاتا ہے۔

اسم کے مادۂ اشتقاق کے بارے میں اختلاف ہے، ایک قول کے مطابق یہ لفظ "السمۃ" بمعنی علامت سے ماخوذ ہے، اور دوسرے قول کے مطابق السمو بمعنی بلندی سے مشتق ہے۔ اور یہی دوسرا قول پسندیدہ ہے۔ بسم اللہ میں ھمزہ وصلی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسم اور مسمیٰ دونوں ایک ہی شے نہیں جیسا کہ بعض حضرات کا خیال ہے بلکہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، کسی شئ معین پر بولا جانے والا لفظ اسم اور وہ شئ معین مسمیٰ کہلاتی ہے۔اور اسی طرح اسم سے نفس تسمیہ مراد نہیں کیونکہ یہ مُسَمّیٰ [1] کا فعل ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے۔سمیت ولدی محمدا کہ میں نے اپنے لڑکے کا محمد نام رکھا۔

بعض حضرات کا یہ خیال کہ یہاں بسم اللہ میں لفظ اسم مقحم ہے کیونکہ استعانت اللہ سے کی جاتی ہے نہ کہ اس کے اسم سے، سراسر بے بنیاد ہے کیونکہ یہاں اللہ کے بابرکت اسم کو زبان سے ادا کرنا مقصود ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے:

''سبح اسم ربک الاعلیٰ''

یعنی اپنے رب کے نام کو زبان سے ادا کرتے ہوئے اس کی تسبیح بیان کرو۔اس کا مفہوم ہے اللہ تعالیٰ کے نام کے تذکرے سے ابتداء کر کے برکت حاصل کرنا۔

اسم جلالہ ''اللہ'' ایک قول کے مطابق جامد غیر مشتق ہے کیونکہ اشتقاق کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس کا کوئی مادہ ہو، اور اللہ تعالیٰ کے اسماء قدیم ہیں، قدیم کا کوئی مادہ نہیں اس لئے ''اللہ'' ان خاص اعلام میں سے ہے جو صفت نہیں بن سکتے، صحیح بات یہ ہے کہ یہ مشتق تو ہے لیکن اس کے مادۂ اشتقاق کے بارے میں اختلاف ہے، ایک قول کے مطابق یہ أله يأله ألوهة و الهة و الوهية سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے عبادت اور پرستش کرنا، اور ایک دوسرے قول کے مطابق یہ أله يأله ألها سے مشتق ہے جو تحیر اور درماندگی کے معنی میں آتا ہے، ان دونوں اقوال میں پہلا قول صحیح ہے۔ [2]

---

[1] نام رکھنے والا۔(اسم کا اسم فاعل ہے)

[2] مولانا آزادؒ نے دوسرے معنی کو زیادہ قوی تسلیم کیا ہے۔فرماتے ہیں ''خالق کائنات کے لئے یہ لفظ اس لئے اہم قرار پایا کہ اس کے بارے میں انسان جو کچھ جانتا اور جان سکتا ہے وہ عقل کے تحیر اور ادراک کی درماندگی کے سوا اور کچھ نہیں ہے وہ جس قدر بھی اس ذات مطلق کی ہستی میں غور وخوض کرے گا اس کی عقل کی حیرانی اور درماندگی بڑھتی ہی جائے گی، یہاں تک کہ وہ معلوم کر لے گا کہ اس کی راہ کی ابتدا بھی عجز وحیرت سے ہوتی ہے اور انتہا بھی عجز وحیرت ہی ہے۔ (ام الکتاب ص ۲۷)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لفظ الٰہ اسم مفعول یعنی مألوہ کے معنی میں ہے یعنی جس کی عبادت اور پرستش کی جائے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

"اللّٰہ ذو الھیۃ و العبو دیۃ علی خلقہٖ اجمعین"

"اللہ تعالیٰ ہی اپنی تمام مخلوقات پر عبودیت و پرستش کا حق رکھتا ہے۔"

اللہ کو مشتق ماننے کی صورت میں درحقیقت یہ وصف ہوگا لیکن اس وصف پر علمیت کے غلبے کے سبب اس کے دیگر تمام اسماء کو اس کی خبر مثلاً اللہ، رحمن، رحیم، سمیع، علیم یعنی اللہ تعالیٰ رحمٰن اور رحیم ہے۔ بہت زیادہ سننے و جاننے والا ہے۔ اور صفت بنایا جاتا ہے مثلاً اللہ الرحمٰن الرحیم یعنی بہت زیادہ مہربانی اور رحمت والا اللہ، وغیرہ..........

الرحمن الرحیم یہ اسماء حسنیٰ میں سے دو مبارک نام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات صفت رحمت سے متصف ہونے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، اور رحمت اللہ رب العزت کی ایک حقیقی صفت ہے جو اس کی شان اور اس کے مرتبے کے لائق ہے، معطلہ کی طرح اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ یہاں رحمت سے مراد لازمۃ رحمت ہے جیسے ارادۂ احسان وغیرہ بالکل جائز اور درست نہیں۔

رحمٰن اور رحیم کے مابین معنوی فرق کے سلسلے میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ: رحمٰن سے مراد وہ ذات ہے جس کی رحمت دنیا کی ہر شئ پر محیط ہے، کیونکہ فعلان کا وزن امتلاء و کثرت پر دلالت کرتا ہے، اور الرحیم سے وہ ذات مراد ہے جس کی رحمت آخرت میں مؤمنین کے ساتھ خاص ہوگی۔ ایک دوسرا قول اس کے برعکس بھی ہے۔

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ اس طرف گئے ہیں کہ الرحمٰن اللہ کی ایک ایسی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور رحیم ایسی صفت ہے جس کا تعلق مرحومین (جن پر رحم کیا جائے) کے ساتھ ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں لفظ رحمٰن رحیم کی طرح کہیں بھی متعدی استعمال نہیں ہوا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:"**وکان بالمؤمنین**

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رحیمًا ‘‘ اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی ’’رحمانًا‘‘نہیں فرمایا۔دونوں کے مابین معنوی فرق کے سلسلے میں یہ سب سے بہتر قول ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت منقول ہے فرماتے ہیں: یہ دونوں لطیف اور رقیق نام ہیں ان میں کا ہر ایک دوسرے سے زیادہ رقیق اور لطیف ہے۔

بعض حضرات نے بسم اللہ میں الرحمٰن کو اللہ کی صفت بنانا ممنوع قرار دیا ہے کیونکہ الرحمٰن اللہ کا دوسرا علمی نام ہے کہ اللہ کے علاوہ دوسرے کیلئے اس کا استعمال نہیں ہوتا اور اعلام صفت نہیں بن سکتے ،لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس کے وصفی معنی کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو اللہ کی صفت اور نعت بنایا جا سکتا ہے، چنانچہ الرحمٰن اللہ کا نام بھی ہے اور اس کی صفت بھی ، دونوں اپنی اپنی جگہ درست ہیں اس کی اسمیت اس کی وصفیت کے منافی نہیں ہے، بحیثیت صفت ہونے کے اللہ کا تابع ہو کر بھی استعمال ہوا ہے اور بحیثیت اسم علم قرآن میں غیر تابع بھی مستعمل ہے۔جیسا کہ قرآن میں ہے:

’’الرحمن علی العرش استویٰ‘‘

رحمٰن عرش پر مستوی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حمد کی تحقیق

الحمدللہ الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ وکفیٰ باللہ شھیداً وأشھد أن لاالہ الااللہ وحدہٗ لاشریک لہ. اقراراًبہ وتوحیداًوأشھدأن محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہعلیہ وسلم وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم تسلیماً مزیداً. أمابعد!

حمد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث مروی ہے جس میں آپ نے فرمایا:

''ہر وہ کلام جس کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی حمد اور مجھ پر درود کے بغیر ہوگی وہ ناقص، ناتمام اور برکت سے محروم ہوگا۔''[1]

بسم اللہ کے سلسلے میں بھی اسی کے مثل حدیث منقول ہے، چنانچہ مؤلف ؒ نے دونوں ہی روایتوں پر عمل کرتے ہوئے بسم اللہ اور حمد دونوں کا التزام واہتمام کیا ہے، اور دونوں میں کسی قسم کا کوئی تعارض بھی نہیں ہے کیونکہ ابتدا کی دو قسمیں ہوا کرتی ہیں، حقیقی اور اضافی۔

حمد، ذم کا ضد ہے۔ کہا جاتا ہے کہ **حمدت الرجل أحمدہ حمداً ومحمداً ومحمدۃ فھو محمود وحمید** اس کا مطلب ہے تعریف کرنا، اور اسی کو تشدید کے ساتھ کہا جائے **حمّد اللہ** تو معنی ہوگا اس نے اللہ کی بار بار تعریف وثنا بیان کی اور الحمد للہ کہا۔ حمد کہتے ہیں اختیاری صفات اور خوبی پر زبان کے ذریعے تعریف کرنے کو چاہے کسی نعمت کے بدلے اور نتیجے میں ہو یا بغیر نعمت کے، کہا جاتا ہے:

---

[1] فضیلۃ الشیخ اسماعیل انصاری حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں'' حافظ سخاوی نے اپنی کتاب "القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع" میں اس حدیث کو "کل امرذی بال لایبدأفیہ بذکراللہ ثم الصلاۃ علی کفوا قطع لمحروف من کل برکۃ" کے الفاظ کے ساتھ'' فوائدابن عمروبن مندہ'' کی طرف منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ'' یہ حدیث مشہور تو ہے لیکن ان لفظوں کے ساتھ نہیں، مزید یہ کہ یہ روایت ضعیف ہے۔''(ندوی)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حمدت الرجل علی انعامه، حمدته علی شجاعته یعنی میں نے آدمی کی تعریف اس کے انعام و بہادری کے سبب کی، اب رہا شکر تو یہ کسی خاص نعمت پر ادا کیا جاتا ہے اور اس میں زبان، دل اور اعضاء و جوارح سب شریک ہوتے ہیں، چنانچہ شاعر کہتا ہے:

أفادتکم النعماء منی ثلاثة یدی ولسانی والضمیر المحجبا

''یعنی میری جانب سے تمہارے انعام کے شکریے کا اظہار میرے تین اعضاء ہاتھ، زبان اور دل سے ہو رہا ہے۔''

اس بنیاد پر حمد اور شکر کے مابین عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہوئی، نعمت کے نتیجے میں بذریعہ زبان اظہار میں دونوں شریک ہیں، البتہ حمد غیر نعمت پر بذریعہ زبان تعریف میں اور شکر نعمت پر بذریعۂ دل اور اعضاء و جوارح تعریف میں منفرد اور الگ ہے، چنانچہ حمد متعلقات کے اعتبار سے عام اور الہ کے اعتبار سے خاص ہے کہ جب کہ شکر متعلقات کے اعتبار سے خاص اور الہ کے اعتبار سے عام ہے۔

اب رہا سوال حمد اور مدح کے مابین فرق کا تو اس سلسلے میں ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ حمد میں محمود کے لئے محبت اور اس کی تعظیم کے جذبے کے ساتھ اس کے محاسن کی خبر دی جاتی ہے اور اس میں خیر اور بھلائی کے ارادے کا بھی دخل ہوتا ہے، جب کہ مدح میں مطلقاً ممدوح کے محاسن کی خبر دی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ مدح شمولیت کے اعتبار سے وسیع تر ہے کیونکہ مدح زندہ، مردہ اور جمادو غیرہ سب کی ہوتی ہے۔

حمد میں الف لام ملحق ہے، یہ استغراق کے لئے بھی ہوسکتا ہے، اس صورت میں حمد وثنا کے حقیقی اور تقدیری تمام افراد مراد ہوں گے، اور جنس کے لئے بھی، اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ کامل حمد وثنا صرف اللہ کے لئے ثابت ہے، اس کا مقصد ہے ان تمام کمالی اور جمالی اوصاف اور خوبیوں کا ثبوت، جن پر اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حمد وثنا بیان کی جاتی ہے، کیونکہ جو خوبیاں اور کامل اوصاف سے محروم ہو وہ محمود اور قابل تعریف ہو ہی نہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکتا، اور حمد کی انتہا یہ ہے کہ وہ ہر اعتبار اور ہر طریقے سے محمود اور قابل ستائش ہے، اور تمام انواع حمد کے ساتھ ہر اعتبار اور ہر طریقے سے قابل تعریف وہی ہوسکتا ہے جو تمام تر کمالی صفات پر قابض اور غالب ہو، بالکل اس طرح کہ اگر ان جملہ صفات کمالیہ میں سے کوئی ایک صفت بھی معدوم ہو جاتی تو اس کی حمد و ثنا میں بھی اس کے بقدر نقص واقع ہوتا۔

رسول: لغوی اصطلاح میں اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی پیغام کے ساتھ بھیجا گیا ہو، چنانچہ اُرسلہ بکذا اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی سے کسی چیز کو پہنچانے اور اس کو ادا کرنے کو کہا جائے، اس لفظ کی جمع رُسْلٌ (سین کے سکون کے ساتھ) اور رُسُلٌ (سین کے ضمے کے ساتھ) دونوں طرح مستعمل ہے۔

رسول اور نبی: شرعی اصطلاح میں رسول سے مراد ایسا مرد انسان ہے جس کی طرف شریعت کی وحی کی گئی ہو، اور اس کی تبلیغ کا حکم بھی دیا گیا ہو، لیکن جس کی جانب صرف وحی کی گئی ہو اور تبلیغ کا حکم نہ ہو تو اس کو نبی کہا جاتا ہے، اس اعتبار سے ہر رسول نبی ہوسکتا ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں، بسا اوقات مبعوث شخص صرف نبی ہوتا ہے رسول نہیں ہوتا یعنی اس کو تبلیغ کا حکم نہیں ہوتا،......اور یہاں عبارت متن میں رسول جو رب کی ضمیر کی طرف مضاف ہے سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ھدیٰ: ھدیٰ کے لغوی معنی ہیں بیان اور دلالت ورہنمائی، جیسا کہ سورۃ حم السجدۃ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وأما ثمود فهديناهم فاستحبوا العمىٰ على الهدىٰ

''اور رہی قوم ثمود تو اسے بھی ہم نے راہ حق دکھلا دی لیکن اس نے ہدایت کی راہ چھوڑ کر اندھے پن کا شیوہ اختیار کیا۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

انا هديناه السبيل اما شاكراً واما كفوراً. (الدھر:۳)

''ہم نے اس پر راہ عمل کھول دی، اب یہ اس کا کام ہے کہ یا تو شکر کرنے والا ہو یا ناشکرا۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ھدیٰ اس معنی کے لحاظ سے تمام انسانوں کے لئے عام ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی بھی یہی صفت بیان کی گئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ان ھٰذاالقرآن یھدی للتی ھی اقوم. (الاسراء: ۹)

''بلاشبہ یہ قرآن اس راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو سب سے سیدھی راہ ہے۔''

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہدایت کی اسی صفت سے متصف کیا گیا ہے:

وانک لتھدی الی صراط مستقیم. (الشوریٰ: ۵۲)

''بے شک (اے پیغمبر) تم راہ راست کی رہنمائی کر رہے ہو۔''

ھدیٰ کا لفظ توفیق اور الھام کے معنوں میں بھی مستعمل ہے، لیکن اس معنی میں اس شخص کے لئے خاص ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فمن یرد اللہ ان یھدیه یشرح صدرهٗ للاسلام.

''جس کو اللہ توفیق دینا چاہتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔''

اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے اس معنی کی نفی کی ہے، فرماتا ہے:

انک لاتھدی من أحببت ولکن اللہ یھدی من یشاء. (القصص: ۵۶)

''اے پیغمبر تو جسے چاہے ہدایت نہیں کرسکتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہے ہدایت کرتا ہے۔''

اور یہاں (نص کتاب میں) ھدیٰ سے مراد وہ تمام سچی خبریں، صحیح اور درست ایمان، نفع بخش علوم اور تمام اعمال صالحہ ہیں جنہیں لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔

دین کا لفظ متعدد معنوں کے لئے آتا ہے ان تمام معانی میں ایک معنی ہے جزاء وبدلہ، جیسا کہ قرآن میں ہے: ''مالک یوم الدین'' اور اسی معنی میں ہے اھل عرب کی یہ مثل بھی ''کما یدین الفتی یدان'' یعنی جیسا کرے گا ویسی ہی جزا بھی ملے گی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دین کا دوسرا ایک معنی ہے خضوع اور انقیاد، یعنی مطیع وفرمانبردار ہونا، کہا جاتا ہے کہ "دان لــــہٗ" یعنی اس کے لئے عاجزی اختیار کی اور فرماں بردار ہوا، اوراسی طرح کہتے ہیں کہ "دان اللہ بکذا أو علی کذا." اس نے فلاں چیز کے ذریعہ اللہ کی فرمانبرداری اختیار کی یعنی اسے بطور دین اختیار کیا۔

یہاں (نص کتاب میں) دین سے مراد وہ تمام احکام وشرائع ہیں جن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے چاہے ان کا تعلق اعتقادی امور سے ہو یا قولی وفعلی امور سے۔

دین الحق میں دین کی الحق کی طرف اضافت، اضافت موصوف الی صفت کے قبیل سے ہے، یعنی اس کی اصل "الدین الحق" ہے، اور "الحق" حق لحق کا مصدر ہے، معنی ہے ثابت اور واجب ہونا، الحق سے مراد ہے حقیقی اور ثابت شدہ۔ باطل، حق کی ضد ہے اور باطل وہ شئ ہے جس کی کوئی حقیقت اور اصل نہ ہو۔

"ولیظھرہ علی الدین کلہ" میں لام تعلیل کا ہے اور اس کا تعلق فعل ماضی "أرسل" سے ہے، فعل مضارع یظھر "ظھور" سے مشتق ہے جس کا معنی ہے "غلو اور غلبہ" پوری عبارت کا مفہوم ہے "تاکہ اس دین حق کو دلائل اور براہان کے ذریعے تمام ادیان پر سربلند کردے۔" یہاں الدین میں الف لام جنس کا ہے، اس میں اسلام کے علاوہ تمام باطل ادیان آجاتے ہیں۔

"وکفیٰ باللہ شھیداً" میں شہید بروزن فعیل مبالغہ کا صیغہ ہے جو شَہِدَ سے مشتق ہے، اور شَہِــــدَ فعل یا تو شہادت سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں اخبار اور اعلام۔ یا شہادت بمعنی حضور سے، مفہوم عبارت یہ ہے کہ اپنے رسول کی صداقت کی خبر دیتے ہوئے یا تمام امور سے مکمل طور پر واقف اور مطلع ہونے میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہی کافی ہے۔

گذشتہ بحوث کا خلاصہ یہ ہے کہ مکمل اور پورے طور پر تمام کمالی صفات اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں۔ اور اس کی حمد وثنا اور تعریف کی وجہ اپنے بندوں پر اس کی وہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نعمتیں ہیں جن کا شمار مخلوق کے بس سے باہر ہے، اس کی سب سے عظیم نعمت یہ ہے کہ ان سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور دین حق کے ساتھ تمام عالم کے لئے رحمت اور نیکوکاروں کے لئے مبشر بنا کر مبعوث کیا تا کہ دین ہدایت اور دین حق کو کامل دلائل و براہین کے ذریعے تمام ادیان پر غالب کر دے، اور اپنے اس رسول کی صداقت اور اس کی لائی ہوئی شریعت کی حقانیت پر اللہ تعالیٰ کی گواہی ہی کافی ہے، اور اس سلسلے میں اس کی شہادت اور گواہی اس کے قول کے ذریعہ بھی ہوتی ہے اور فعل کے ذریعے بھی، آپ کی لائی ہوئی شریعت کی صداقت پر اللہ تعالیٰ کی بڑی شہادت یہ ہے کہ اس نے مختلف معجزات اور براہین کے ذریعے اپنے رسول کی پوری طرح مدد فرمائی۔

شہادت: کسی شے کی اطلاع اس کی حقیقت کے مکمل ادراک اور اس کی صحت اور ثبوت کے پختہ یقین کے ساتھ دینا شہادت کہلاتا ہے۔

شہادت کا اعتبار اسی وقت ہوگا جب کہ وہ اقرار واذعان کے ساتھ ہو، نیز زبان و دل دونوں اس کی موافقت کریں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو ان کے اس قول نشهد انک لرسول الله میں جھوٹا قرار دیا ہے باوجودیکہ انہوں نے اپنی زبان سے اقرار کرلیا تھا۔

کلمۂ توحید کا مفہوم: لاالٰہ الا اللہ متفقہ طور پر تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کلمۂ توحید ہے، بلکہ یہ کہا جائے کہ یہی کلمہ ان کی دعوت و رسالت کا خلاصہ اور اس کا اصل جوہر ہے اور ان میں سے ہر ایک نے اسی کلمہ کو اپنے مشن کا نقطۂ آغاز قرار دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اس وقت تک قتال کروں جب تک کہ لوگ لاالٰہ الا اللہ کا اقرار نہ کرلیں، اس کے اقرار کر لینے کے بعد گویا انہوں نے اپنی جان و مال کو مجھ سے محفوظ کرلیا، الا یہ کہ اس کے حق کے ساتھ [1] اور ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔"

---

[1] بخاری و مسلم کی ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں: "الا بحق الاسلام" یعنی الا یہ کہ وہ کسی اسلامی قانون کی زد میں آجائے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کلمہ کی دلالت، توحید پر اس اعتبار سے ہے کہ یہ کلمہ بیک وقت نفی اور اثبات پر مشتمل ہے اور بیک وقت نفی اور اثبات حصر کا متقاضی ہے، اور یہ اسلوب، مجرد اثباتی اسلوب مثلاً ''اللّٰہ واحد'' کہ اللہ ایک ہے کے مقابلے زیادہ بلیغ ہے، چنانچہ اس کلمہ کے نصف اول سے غیر اللہ کے الوہیت کی نفی اور نصف آخر سے صرف اور صرف اللہ کی الوہیت کا اثبات ہوتا ہے، کلمہ لا الہ الا اللہ میں خبر مقدور ومخذوف ماننا ضروری ہے اصل عبارت ہے ''لا معبود بحق موجود الا اللّٰہ'' کلمۂ توحید کے بعد مذکور جملہ ''لا شریک لہ'' کلمۂ توحید کے مفہوم کی تاکید واقع ہے اور اس کے بعد کا ''اقرار ا بہ'' أشہد فعل مضارع واحد متکلم کا مصدر مؤکدہ ہے اس کا معنی یہ ہے کہ میں زبان ودل سے اقرار کرتا ہوئے شہادت وگواہی دیتا ہوں، اور اس کے معاًبعد جملۂ مکتوب ''توحیداً'' کا مطلب ہے عبادت میں اللہ تعالیٰ کے لئے مخلص ہوکر، یہاں توحید سے مراد توحید ارادی وطلبی ہے جو کہ توحید معرفت واثبات پر مبنی ہے۔

اللہ رب العزت کی وحدانیت کی شہادت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت وعبودیت کی گواہی کا ایک ساتھ تذکرہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دونوں ہی گواہیاں بیک وقت مطلوب ہیں ان میں سے صرف کسی ایک کی شہادت کافی نہیں، اسی غرض کی توضیح کے لئے اذان وتشھد دونوں میں ان دونوں شہادتوں کو معاً ذکر کیا گیا ہے، بعض مفسرین نے آیت کریمہ ''ورفعنا لک ذکرک'' کی تفسیر ان الفاظ میں کی ہے ''لاأذکر الاذکرت معی'' یعنی میرے ذکر کے ساتھ آپ کا بھی تذکرہ ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دو صفتیں رسالت، عبدیت کا معاً تذکرہ ہوا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی بندے کی تعریف وتوصیف کا اگر کوئی اعلیٰ معیار ہوسکتا ہے تو یہی ہے۔

<u>عبادت:</u> یہ وہی حکمت ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تخلیق فرمائی، جیسا کہ ارشاد ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون.

''میں نے جن وانس کی تخلیق محض اپنی ہی عبادت کے لئے کی ہے۔''

اور مخلوق کی معراج بھی اسی مقصد کے اثبات میں ہے ایک بندہ جس قدر خود کو عبودیت کے قالب میں ڈھالے گا اسی قدر اس کی قدر ومنزلت میں بھی اضافہ ہوگا اور اس کے درجے بلند ہوں گے، اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عز وشرف کے مقامات میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند وبالا مرتبہ و پوزیشن کو بیان کرتے وقت لفظ عبد سے ہی یاد کیا ہے۔ مثلاً:

☆ ......اسراء اور معراج کے واقعے میں۔

☆ ......دعوت الی اللہ کے امور کو انجام دینے کے تذکروں میں۔

☆ ...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب وحی نازل کرنے کے موقع پر۔

☆ ......آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ وحی کے ذریعے چیلنج کرتے وقت۔

☆ ......اور اسی طرح ان غلو پسند افراد کے طرز عمل کی تردید کرتے ہوئے بھی عبدیت کے وصف کے ساتھ ہوشیار اور متنبہ کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ومرتبے کو حد سے بڑھا کر الوہیت کے درجے تک پہونچا دیتے ہیں جیسا کہ بعض گمراہ صوفیوں کا طرز عمل ہے، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مجھے اس قدر نہ بڑھاؤ جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم کو بڑھا دیا، میں تو صرف ایک بندہ ہوں بس تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت وعبدیت کی شہادت کا مقصود یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال عبدیت اور کامل رسالت کا اعتراف کرلے، اور اس بات کا بھی اعتراف کرلے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کامل خصوصیات وعادات کے سبب ساری مخلوقات پر فائق اور سب سے ممتاز ہیں، اور یہ شہادت مکمل اس وقت ہوگی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب کہ بندہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تعلیمات کی تصدیق نہ کر لے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کی تابعداری اور منھیات سے اجتناب نہ کر لے۔

مفہوم صلاۃ کی تعیین: صلاۃ کا لغوی معنی ہے دعا، جیسا کہ قرآن میں ہے:

وصل علیهم ان صلاتک سکن لهم. (التوبة: ۱۰۳)

''اور (اے نبی) تم ان کے لئے دعا کرتے رہو، بے شک تمہاری دعائیں ان کے لئے باعث سکون ہیں۔''

☆ لفظ صلاۃ کا استعمال جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہو تو اس وقت اس کا سب سے صحیح مطلب وہ ہوگا جسے امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں ابوالعالیہ سے منقولہ روایت میں ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں: صلاۃ اللہ علی رسول کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کا اپنے فرشتوں کے پاس اپنے رسول کی تعریف وتوصیف بیان کرنا۔

☆ لفظ صلاۃ کا صدور فرشتوں کی جانب سے ہو تو اس وقت استغفار کے معنی میں ہوگا، صحیح حدیث میں ہے:

والملائكة يصلون على أحدكم مادام في مجلسه الذي فيه ،يقولون اللهم اغفرله اللهم ارحمه.

''فرشتے تمہارے ایک آدمی کے حق میں دعائے استغفار کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ اس جگہ بیٹھا رہے جہاں اس نے نماز پڑھی ہے۔ فرشتے کہتے ہیں اے اللہ! اسے بخش دے، اے اللہ! اس پر رحم فرما۔''

☆ اور عام آدمیوں کی جانب سے اس لفظ کے استعمال ہونے کی صورت میں تضرع اور دعا کا معنی ہوگا،

آل الشخص سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی گہرے تعلق قرابت وغیرہ کے ذریعے اس کی طرف منسوب ہوں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل میں وہ لوگ داخل ہیں جن پر صدقہ حرام ہے، اور یہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کے افراد ہیں، اور کبھی آل بول کر آپ صلی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ علیہ وسلم کے تمام متبعین مراد لئے جاتے ہیں۔

آل کی اصل اُھل ہے ھا کو ہمزہ سے بدلنے پر دو ہمزہ جمع ہو گئے لہٰذا دوسرے کو الف سے بدل دیا، اس کی تصغیر اُھیل یا اُویل آتی ہے، آل کا استعمال اکثر شرف کے طور پر ہوتا ہے اسی لئے آل اسکاف اور آل حجام نہیں کہہ سکتے۔

صحب سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں یعنی وہ تمام حضرات جنہوں نے ایمان کی حالت میں آپ سے ملاقات کی اور بحالت ایمان ہی ان کی وفات ہوئی ہو۔

السلام، سلم یسلم تسلیماً کا اسم مصدر ہے معنی ہے ہر مصیبت اور ناپسندیدہ شئ سے سلامتی وحفاظت طلب کرنا، السلام اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک ہے جس کا معنیٰ ہے ہر نقص وعیب سے پاک اور بری ہستی، یا وہ ذات جو آخرت میں اپنے مومن بندوں پر سلام کرنے والا ہے۔

"مزیداً" کا لفظ "تسلیماً" کی صفت ہے اور "زاد" فعل متعدی کا مفعول ہے اور تقدیر ہے "مزیداً فیہ" "اما بعد" یہ ایسا کلمہ ہے جسے مقصود اصلی کے آغاز کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنے خطبات اور رسائل میں بکثرت استعمال کرتے تھے، نحویوں کے نزدیک اس کا مطلب ہے: "مهما يكن من شئ بعد."

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرقۂ ناجیہ

فهذا اعتقاد الفرقة الناجية المنصورة الى قيام الساعة أهل السنة والجماعة وهو: الا يمان بالله وملا ئكته وكتبه ورسله والبعث بعدالموت والايمان بالقدر خيره وشره.

یہاں عبارت میں مصنف کے قول ''ھٰذا'' سے ان تمام ایمانی واعتقادی امور کی جانب اشارہ ہے جن کا اجمالی بیان آ گے ''وھوالایمان باللہ'' کے لفظ سے آ رہا ہے۔

اعتقاد: اعتقد کذا کا مصدر ہے، مطلب ہے کسی چیز کو بطور عقیدہ اختیار کرنا، یعنی ضمیر ودل اس پر جم جائیں اور اس کے ذریعے اللہ کی قربت حاصل ہو، یہ لفظ ''عقد الحبل'' سے لیا گیا ہے یعنی رسی باندھنا پھر مضبوط اور اعتقاد جازم کے معنی میں اس لفظ کا استعمال ہوا۔

فرقہ: لوگوں کی ایک جماعت کو کہا جاتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے اخذ کرتے ہوئے اس فرقہ کو ناجیہ یعنی نجات یافتہ اور منصورہ یعنی ''مدد کیا ہوا'' کہا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر باقی رہے گا کسی ملامت گر کی ملامت اسے کچھ بھی نقصان نہ پہونچا سکے گی یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ جائے گا۔''

اور ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی بنیاد پر بھی کہ ''یہ امت تہتر فرقوں میں منقسم ہو جائے گی سوائے ایک جماعت کے سب جہنم میں جائیں گے، اور وہ (نجات یافتہ جماعت وہ ہوگی) جو اس طریق کار پر کاربند ہوگی جس پر آج میں اور میرے صحابہ ہیں۔''

متن عبارت میں مذکور جملہ ''اھل السنۃ والجماعۃ'' الفرقۃ سے بدل واقع ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سنت: سنت سے مراد وہ طریقہ ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام تھے، اور یہ طریقہ بدعات وخرافات کے ظہور سے پہلے کا ہے۔

جماعت: گروہ کو کہا جاتا ہے، یہاں جماعت سے مراد اس امت کے اسلاف یعنی صحابہ وتابعین ہیں جو کتاب وسنت کے صحیح وصریح طریقے پر کار بند تھے۔

چھ ایمانیاتی امور: ایمان باللہ اور اسی طرح فرشتوں، تمام آسمانی کتب، رسولوں، موت کے بعد اٹھنے اور بھلی بری تقدیر پر ایمان لانا.............. یہ چھ امور ایمان کے ارکان ہیں ان تمام پر کتاب وسنت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ایمان لانے سے ہی ایمان مکمل ہوسکتا ہے، جو ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے یا صحیح طریقے پر ایمان نہ لائے تو وہ کافر ہے۔ ان چھ امور کا تذکرہ حدیث جبریل میں ہوا ہے جو کہ بہت ہی مشہور حدیث ہے، حضرت جبریل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس، آپ سے اسلام، ایمان اور احسان کے متعلق سوال کرنے کے لئے تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جواب دیا تھا کہ تم اللہ اور اس کے فرشتوں، کتابوں اور رسولوں پر ایمان لاؤ اور ساتھ ہی بعث بعد الموت اور بھلی بری تقدیر پر بھی ایمان لاؤ تقدیر کا تلخ وشیریں سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرر کردہ ہے۔

ملائکہ مَلَک کی جمع ہے اس کی اصل مألک ہے جو أُلُوکَةً سے مشتق ہے جس کے معنی رسالت کے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے جس کا مسکن اللہ تعالیٰ نے آسمان کو مقرر فرمایا ہے تمام ملائکہ مخلوقات سے متعلق تمام امور کو انجام دینے پر مقرر ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان کی صفت یوں بیان فرمائی ہے کہ یہ لوگ اللہ کی جانب سے دیئے گئے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرتے بلکہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے، نیز یہ لوگ بغیر رکے ہوئے صبح وشام مسلسل اس کی تسبیح وتحلیل بیان کرتے رہتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کے اعمال اوران کی صفات کے بارے میں کتاب وسنت میں واردشدہ تمام نصوص پر ایمان لانا واجب اورضروری ہے، نیز کتاب وسنت میں واردنصوص کے خلاف کسی بھی قسم کے اعتقاد سے اجتناب بھی لازم ہے کیونکہ اس کاتعلق غیبی امور سے ہے جن سے ہم صرف اتنا ہی واقف ہیں جتنا کہ اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبردی ہے۔

کُتُبٌ کتاب کی جمع ہے جوکتب سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں جمع کرنا اور اکٹھا کرنا، یہاں متن عبارت میں کتب سے مراد وہ تمام آسمانی کتابیں ہیں جو رسولوں پر نازل ہوئیں، ان تمام آسمانی کتابوں میں ان چند کتابوں کا ہی ہمیں علم دیا گیا ہے۔

صحف ابراھیم

☆ توریت : یہ کتاب تختیوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

☆ انجیل: یہ کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

☆ زبور : یہ کتاب حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

☆ قرآن کریم: یہ کتاب نزول کے اعتبار سے سب سے آخری ہے، اور پچھلی تمام کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، نیز تمام کتابوں پر غالب ہوکر تمام کومنسوخ کرتی ہے، قرآن کے سوانازل شدہ تمام کتابوں پر صرف اجمالی ایمان واجب ہے۔

رُسُل رسول کی جمع ہے رسول وہ مردانسان جس کی جانب اللہ تعالیٰ نے کسی شریعت کی وحی کی اوراس کی تبلیغ کا حکم بھی دیا ہو، جیسا کہ پچھلے صفحات میں اس کی تفصیل گزرچکی ہے، ان تمام انبیاء ورسل پر ایمان لانا واجب ہے جن کا قرآن میں ناموں کے ساتھ ذکر آیا ہے ان کی کل تعداد پچیس (۲۵) ہے جن کا ذکر شاعر نے اپنے ان دوشعروں میں کردیا ہے:

فی "تلک حجتنا" منهم ثمانية	من بعد عشر ويبقى سبعة وهم
ادريس هود شعيب صالح وكذا	ذوالكفل آدم بالمختار قد ختموا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آیت ''تلک حجتنا'' میں دس کے بعد آٹھ (یعنی کل اٹھارہ) کا ذکر ہے، اور سات رہ گئے تو وہ اور ہیں۔ھود، شعیب، صالح۔اس طرح ذوالکفل اور آدم میں اور مختار صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کا سلسلہ ختم کردیا گیا ہے۔

سورہ انعام کی آیت نمبر ۸۳ سے ۸۶ تک جن اٹھارہ انبیاے کرام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ان کے نام یہ ہیں:

ابراہیم، اسحاق، یعقوب، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، الیاس، اسماعیل، یسع، یونس اور لوط علیہم الصلاۃ والسلام، ان کے علاوہ سات انبیائے کرام جن کا تذکرہ مختلف مقامات میں ہے وہ یہ ہیں:

ادریس، ھود، شعیب، صالح، ذوالکفل، آدم اور محمد علیہم السلام۔

ان انبیائے کرام اور رسولوں کے علاوہ بھی جتنے انبیاء ورسل ہیں ان تمام پر اجمالی طور پر ایمان رکھیں گے، وہ اس طرح کہ ان کے اسماء اور ان کی تعداد کی تلاش وجستجو کے بغیر ہم ان کی نبوت ورسالت پر مکمل ایمان رکھیں گے کیونکہ اس کا تعلق ان امور سے ہے جن کا خصوصی علم صرف اللہ کو ہے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ورسلاً قد قصصناھم علیک من قبل ورسلاً لم نقصصھم علیک.

''اور بہت سے رسولوں کے واقعات ہم پہلے سنا چکے ہیں اور بہت سے رسولوں کا حال ہم نے تمہیں نہیں سنایا۔'' (النساء:۱۶۴)

اس بات پر ایمان لانا واجب ہے کہ ان تمام انبیاء ورسل نے اپنے ساتھ لائی ہوئی شریعت اللہ کے حکم کے مطابق مکمل طور سے پہونچادی اور اسے اس قدر واضح کردی کہ ان میں سے کسی ایک کی جانب بھی جہل ونادانستگی کی نسبت کی گنجائش ہی نہیں ہے، نیز اس بات پر بھی ایمان رکھنا ضروری ہے کہ تمام انبیاء ورسول جھوٹ وخیانت، کتمان اور بلادت جیسی ہر قسم کی سفلی صفات سے بری اور بالکل معصوم ہیں۔ان میں سب سے افضل اولوالعزم انبیاء کرام ہیں، ان اولوالعزم انبیاء میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ابراہیم علیہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور نوح علیہ السلام مشہور ہیں کیونکہ قرآن کریم میں ان کا ذکر ایک ساتھ ہوا ہے:

واذأخذنا من النبيين ميثاقهم ومنك ومن نوح وابراهيم وموسیٰ وعيسیٰ بن مريم.

"جب کہ ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور (اے نبی) تم سے ابراہیم، موسیٰ اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے۔" (الاحزاب:۷)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

شرع لكم من الدين ماوصیٰ به نوحاً والذی أوحينا اليك وما وصينا به ابراهيم وموسیٰ وعيسیٰ أن أقيموا الدين ولاتتفرقوا فيه.

"اللہ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کر دیا ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی وحی ہم نے تیری طرف بھیجی، جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ کو دیا تھا، کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔" (الشوریٰ:۱۳)

بعث لغت میں اثارہ اور تحریک کو کہتے ہیں یعنی بھڑکا دینا اور حرکت پیدا کرنا، شرعی اصطلاح میں بعث سے مراد ہے لوگوں کے مابین فیصلے کی غرض سے بروز قیامت مردوں کو زندہ کر کے ان کی قبروں سے نکالنا ہے، چنانچہ جو شخص ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا تو وہ اسے دیکھ لے گا اور جو مثل ذرہ بھی شر کرے گا تو وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔

بعث پر بالکل ویسے ہی ایمان لانا واجب اور ضروری ہے جیسے اللہ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے یعنی دنیاوی اجساد واجسام کے بکھرے ہوئے اور تحلیل شدہ اعضاء کے اجزاء کو جمع کرنا اور اس کی از سر نو تخلیق کر کے اس میں دوبارہ زندگی ڈال دینا۔

جسمانی اور بدنی بعث کے منکرین فلاسفہ اور نصاریٰ وغیرہ کافر ہیں اور رہے وہ لوگ جو جسمانی بعث کا اقرار تو کرتے ہیں لیکن ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارواح کو دنیاوی اجسام کے علاوہ دوسرے اجسام میں اٹھائے گا تو یہ لوگ بدعتی اور فاسق ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قدر: اصل میں مصدر ہے، کہا جاتا ہے قدرت الشیٔ ماضی میں دال کے فتحہ کے ساتھ اور دال کے کسرہ کے ساتھ بھی، و أقدرہ مضارع میں دال کے کسرہ کے ساتھ قدراً و قدراً اس کا معنیٰ ہے مقدار کا احاطہ کرنا۔

شرعی اصطلاح میں قدر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کی مقدار اور ان کے زمانوں سے ازلی طور پر واقف ہوا، پھر اس نے اپنی قدرت ومشیت سے اپنے علم کے مطابق اس کی تخلیق کی، اور ان کو ظاہر کرنے سے قبل ہی اس نے انہیں لوح محفوظ میں لکھ لیا، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے اول قلم کو پیدا کیا، پھر اس سے کہا کہ لکھ دے، قلم نے کہا کہ میں کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے کہا جو کچھ واقع ہونے والا ہے اسے لکھ دے۔''

اس سلسلے میں قرآن کی آیت ہے:

ماأصاب من مصيبة في الأرض ولافي انفسكم الافي كتاب من قبل أن نبرأها.

''جو مصیبت بھی زمین پر نازل ہوتی ہے یا تمہاری جانوں پر، تو وہ لوح محفوظ میں قبل اس کے کہ ہم اسے پیدا کریں لکھی ہوئی ہے۔'' (حدید :۲۲)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذات وصفات کے باب میں اہل سنت کا موقف

ومن الایمان باللہ: الایمان بما وصف به نفسه فی کتابه وبما وصفه به رسوله من غیر تحریف ولا تعطیل ومن غیر تکییف ولاتمثیل . بل یومنون بأن اللہ سبحانهٗ (لیس کمثله شئ وهو السمیع البصیر).

یہاں سے ایمانیات کا تفصیلی بیان آ رہا ہے۔ ومن الایمان باللہ میں لفظ ''من'' ضیہ ہے، مفہوم یہ ہے کہ اھل سنت والجماعت کے جملہ ایمانیاتی امور میں بحیثیت سرچشمہ اول کے جو سب سے اہم اور اساسی اصول ہے، وہ ہے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ان تمام صفات پر ایمان رکھتے ہیں جن سے خود اس نے اپنے آپ کو متصف کیا ہے یا اس کے رسول نے جن صفات کا اس کو حامل قرار دیا ہے بغیر کسی تحریف و تعطیل کے اور بغیر اس کے کہ ان کی کیفیت متعین کی جائے یا ان کی تمثیل بیان کی جائے۔ ''من غیر تحریف'' یہ جملہ اس کے ماقبل جملہ ''الایمان بما وصف به نفسه'' سے متعلق ہے، یعنی وہ لوگ صفات الٰہیہ پر تمام باطل معانی سے پرہیز کرتے ہوئے ایمان رکھتے ہیں یعنی اس کے لئے صفات کو تمثیل بیان کئے بغیر ثابت کرتے ہیں اور اگر کسی صفت سے منزہ اور پاک قرار دیتے ہیں تو بلا تعطیل۔

تحریف: لغوی اعتبار سے یہ لفظ اہل عرب کے اس قول ''حرفت الشئ عن وجهه'' سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے جھکا دینا اور بدل دینا، یہ لفظ ''باب ضرب'' سے آتا ہے، اس میں تشدید مبالغہ کی ہے۔

کسی کلام کے اندر تحریف کا مطلب یہ ہے کہ کلام کو رائج اور متبادر معنی سے ہٹا کر اسے دوسرا کوئی ایسا معنی دے دیا جائے جس پر وہ لفظ دلالت نہ کر رہا ہو الا یہ کہ کوئی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرجوح احتمال ہو لیکن اس صورت میں بھی اس میں کوئی ایسا قرینہ پایا جانا ضروری ہے جس سے مراد واضح ہو سکے۔

تعطیل: یہ لفظ عطل سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے خلو، فراغ اور ترک، قرآن میں ہے "**وبئر معطلة**" یعنی وہاں کے لوگوں نے اسے چھوڑ دیا اور وہاں آنا ترک کر دیا۔

یہاں صفات کے باب میں تعطیل سے مراد ہے الٰہی صفات کی نفی کر دینا اور اللہ کی ذات کے ساتھ ان صفات کو قائم ماننے سے انکار کر دینا۔

تحریف اور تعطیل میں فرق: کتاب وسنت سے ثابت شدہ درست اور صحیح معنی کی نفی تعطیل ہے جب کہ نصوص کی ایسے باطل مفہوم ومعانی سے تفسیر کرنا جو ثابت نہ ہوں تحریف ہے، دونوں کے مابین عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے، تعطیل تحریف سے عام ہے یعنی جب بھی کسی کلام میں تحریف پائی جائے گی تو تعطیل بھی ساتھ ہی ہوگی، جب کہ اس کے برعکس تعطیل کے وقت تحریف کا وجود ضروری نہیں۔ اسی بنیاد پر صفات کے باب میں جو لوگ باطل معانی کا اثبات اور حقیقی معنی کی نفی کرتے ہیں تو ان کے طرز عمل سے تعطیل وتحریف دونوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ کتاب وسنت میں وارد شدہ صفات کی نفی کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے ساتھ ہی ان کا کوئی دوسرا معنی بھی متعین نہیں کرتے تو ان کے رویے میں صرف تعطیل پائی جاتی ہے اور یہ لوگ اپنے اس طرز عمل کو تفویض کا نام دیتے ہیں۔

اس تفویض والے طرز عمل کو اہل سنت والجماعت کا طریقہ ثابت کرنا نہایت ہی غلط ہے۔ بعض متأخرین اشاعرہ وغیرہ نے اس عمل کو اہل سنت کی طرف منسوب کرنے کی کوشش کی ہے، جب کہ یہ اہل سنت کا طریقہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ سلف معنی کی معرفت اور اس کے علم میں کبھی بھی تفویض کے قائل نہیں رہے۔ اور نہ ہی ان کے نزدیک کوئی ایسا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کلام ہے جسے پڑھتے تو ہوں لیکن اس کا مفہوم و معنی نہ سمجھتے ہوں بلکہ وہ لوگ کتاب وسنت کے جملہ نصوص کے معانی کو بحسن وخوبی سمجھتے تھے، اور نصوص سے ثابت شدہ صفات کو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت بھی کرتے تھے، البتہ ان صفات کی کیفیات اور ان کی حقیقتوں کو اللہ کے حوالے کر دیا کرتے تھے، جیسا کہ امام مالکؒ سے جب اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کی کیفیت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

"الاستواء معلوم والکیف مجهول"

استواء کا معنی معلوم ہے لیکن اس کی کیفیت مجہول ہے۔

تکییف اور تمثیل میں فرق: اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی کیفیت ایسی ہے یا اس کی صفات کی کیفیت کے متعلق سوال کرنا "تکییف" ہے۔ اور اس بات کا عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوقات کی صفات کی مثل ہیں "تمثیل" کہلاتی ہے۔

من غیر تکییف کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اہل سنت صفات کے کیفیت کی بالکلیہ نفی کر دیتے ہیں کیونکہ ہر شئ کی کوئی نہ کوئی کیفیت ضرور ہوگی بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ صفات کی کیفیت کے علم کی نفی کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی کیفیت کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

لیس کمثلہ شئ وھو السمیع البصیر

اس کے مثل کوئی شئ نہیں وہ خوب سننے اور دیکھنے والا ہے۔

یہ کتاب اللہ کی ایک محکم آیت ہے جو صفات کے باب میں اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایک دستور اور قانون کی حیثیت رکھتی ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نفی واثبات دونوں کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے، چنانچہ اس آیت میں اس نے اپنی ذات سے مثل کی نفی کرتے ہوئے اپنے لئے دو صفت سمع وبصر کا اثبات کیا ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مطلق طور سے صفات کی نفی کر دینا بھی صحیح اور برحق طریقہ نہیں ہے جیسا کہ معطلہ کرتے ہیں، اور نہ ہی صفات کا مطلق اثبات جیسا کہ ممثلہ کا اصول ہے، بلکہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صفات کو بلا تمثیل ثابت کرنا ہی طریقۂ حق ہے۔

آیت کریمہ میں لفظ ''کمثل'' کا اعراب مختلف فیہ ہے لیکن سب سے صحیح یہ ہے کہ اس میں ''کاف'' کا اضافہ تاکید اور زور پیدا کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

لیس کمثل الفتی زهیر خلق یوازیه فی الفضائل

نوجوان زہیر کے مثل کوئی نہیں کہ فضائل میں اس کا مقابلہ کر سکے۔

فلاينفون عنه ماوصف به نفسه ،ولا يحرفون الكلم عن مواضعه ولا يلحدون في اسماء الله وآياته، ولا يكيفون ولا يمثلون صفاته بصفات خلقه لأنه سبحانه لاسمي له ولا كف له ولا ندله ولا يقاس بخلقه سبحانه وتعالىٰ.

یہ عبارت بھی صفات کے باب میں اہل سنت والجماعت کے گزشتہ موقف کی تفریع ہے، چنانچہ یہ حضرات اپنے خاص موقف کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے اس کی صفات کا نہ تو انکار و نفی کرتے ہیں اور نہ ہی ان کلمات کو ان کے حقیقی معانی و مفہوم سے ہٹاتے ہیں، نہ ہی صفات کی کیفیت بیان کرتے ہیں اور نہ ہی مماثل۔

عبارت متن میں وارد شدہ لفظ ''مواضع'' موضع کی جمع ہے عبارت میں مواضع سے مراد وہ معانی و مفاہیم ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے متعلق وارد شدہ کلمات کو منطبق کرنا لازم اور ضروری ہے کیونکہ یہی معانی حقیقی اور ثابت شدہ ہیں، چنانچہ اہل سنت والجماعت صفات کے باب میں ان حقیقی معانی سے اعراض وانحراف نہیں کرتے۔

الحاد کا مفہوم: رہا مؤلفؒ کا یہ قول کہ ''اہل سنت اللہ کی آیات اور اس کے اسماء و صفات میں الحاد نہیں کرتے'' تو علامہ ابن القیمؒ اس سلسلے میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں الحاد کا مطلب ہے ان اسماء اور ان کے حقائق و معانی کے سلسلے میں حق

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ثابت شدہ موقف سے انحراف کر لینا۔ الحاد کا معنی ہے ایک طرف جھکاؤ اور میلان، ل ح د کا مادہ اسی معنی پر مشتمل ہے، اسی مادے سے مرکب ایک لفظ ہے ''لحد'' قبر کے ایک کنارے کے شگاف کو لحد کہا جاتا ہے جو بیچ سے ایک طرف مائل ہوتا ہے۔ اسی سے ''الملحد فی الدین'' ہے جس کے معنی ہیں حق سے اعراض وانحراف کرنے والا اور حق میں غیر حق کی آمیزش کرنے والا۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں الحاد کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً:

۱...... تمام تر اسماء وصفات کے بالکلیہ جحد وانکار کر دینا۔

۲...... ان اسماء وصفات کے معانی ومفاہیم کا انکار کر کے انہیں معطل چھوڑ دینا۔

۳...... انہیں صحیح اور درست معانی سے پھیر کر ان کی فاسد اور باطل تاویلات کر کے۔

۴...... ان اسماء وصفات کو چند بدعات وخرافات کے لئے علامات وغیرہ متعین کر کے، جیسا کہ اہل اتحاد ان کے اندر الحاد کے مرتکب ہوئے ہیں۔

گزشتہ سطور کا خلاصہ یہ ہے کہ سلف صالحین ہر اس خبر پر پوری طرح ایمان رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں اپنی کتاب میں بیان کی ہے نیز ان تمام خبروں پر بھی جو اس کی ذات وصفات کے بارے میں اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، یہ لوگ ان تمام خبروں پر ہر قسم کی تحریف وتعطیل اور تکییف وتمثیل سے بچتے ہوئے ایمان رکھتے ہیں، اور ذات باری تعالیٰ اور اس کی صفات کے متعلق کلام وگفتگو کو ایک ہی قبیل سے تسلیم کرتے ہیں کیونکہ صفات کے سلسلے میں گفتگو ذات کے سلسلے میں گفتگو کی ہی فرع ہے اور دونوں ایک ہی ہیں، چنانچہ جب ذات کو ثابت کریں گے تو وجود کا اثبات ہوگا وجود کی کیفیت کا نہیں، یہی حال صفات کے اثبات کا بھی ہے، اپنے اسی موقف کی تعبیر سلف نے ان لفظوں میں کی ہے:

تمر کماجاء ت بلا تاویل''

یعنی اسماء وصفات کے باب میں جو بھی نصوص وارد ہیں انہیں تسلیم کر کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلا تاویل گزر جاؤ۔

جو لوگ سلف کے اس نقطۂ نظر کو نہ سمجھ سکے وہ یہ خیال کر بیٹھے کہ اس عبارت سے ان کی مراد معنی سے تعرض کئے بغیر صرف لفظ کی قراءت ہے، جب کہ یہ خیال باطل ہے۔ بلکہ یہاں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں ممنوعہ تاویل سے مراد یہ ہے کہ معنی کی حقیقت واصلیت اور اس کی کیفیت کے پیچھے نہ پڑا جائے۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ صرف انہیں اوصاف سے اللہ تعالیٰ کو متصف مانا جائے گا جن اوصاف وصفات کو خود اس نے اپنے لئے یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے ثابت کیا ہے، اس سلسلے میں کتاب وسنت سے تجاوز نہیں کیا جا سکتا۔''

امام بخاریؒ کے شیخ نعیم بن حمادؒ فرماتے ہیں: جس نے اللہ کو مخلوق کے مشابہ قرار دیا اس نے کفر کیا اور جس نے ان صفات کا انکار کیا جن صفات سے اللہ تعالیٰ نے خود کو متصف فرمایا ہے اس نے بھی کفر کیا۔ اور جن صفات سے اللہ نے خود کو متصف کیا ہے یا اس کے رسول نے اس کو متصف کیا ہے ان میں کسی بھی قسم کی تشبیہ اور تمثیل نہیں ہے۔

مؤلفؒ کی ذکر کردہ آگے کی عبارت ''**لأنه سبحانه لاسمي له ولا كفأ له ولا ندله**'' اہل سنت والجماعت کے موقف کے متعلق دی گئی گذشتہ خبر کی تعلیل ہے۔ یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات کی کیفیت اور ان کی مثال بیان نہیں کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نہ تو کوئی ہمنام ہے اور نہ کوئی نظیر، اور نہ ہی اس کے برابر کوئی ہے اور نہ شریک۔

لاسمی لہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی اس کا نظیر نہیں جو اس کا ہمنام ہو سکے، یا کوئی اس کا مقابل نہیں جو اس کے سامنے اپنی بڑائی جتلا سکے، اس امر کی وضاحت سورۂ مریم میں مذکور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے: ﴿**هل تعلم له سميا**﴾ کیا تم اس کا کوئی ہمنام جانتے ہو؟ یہاں پر آیت کریمہ میں استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ اس کا کوئی ہمنام نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ہمنام کی نفی کا یہ مطلب نہیں کہ کسی کو اللہ کے نام جیسا نام نہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا جائے، کیونکہ بہت سے اسماء اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان مشترک ہیں، بلکہ اس نفی کا مقصد یہ ہے کہ ان اسماء کو جب اللہ کے لئے بولا جائے تو اس کا معنیٰ اللہ کے ساتھ خاص ہوگا کوئی دوسرا اس میں شریک نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے اسماء میں اشتراک تو صرف اس کے مفہوم کلی میں ہے۔ اور یہ صرف ذہنی ہوتا ہے۔ لیکن خارج میں اس کا خاص جزئی معنی مراد ہوگا۔ اور اس معنی کی تعیین مضاف الیہ کے اعتبار سے ہوگی۔ اگر اسم کی اضافت رب کی طرف ہے تو یہ اس کے لئے خاص ہوگا بندہ اس میں شریک نہ ہوگا۔ اور اگر اضافت بندے کی طرف ہے تو یہ بندے کے لئے خاص ہوگا رب اس میں شریک نہ ہوگا۔

کفء کا لفظ مساوی کے معنی میں مستعمل ہے کسی کے اس کے برابر اور مساوی ہونے کی نفی سورۂ اخلاص کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے: ولم یکن له کفواً أحد ''کوئی اس کے مساوی نہیں''

ند کا لفظ بھی مساوی اور مد مقابل کے معنوں میں مستعمل ہے۔ قرآن میں ہے:

فلاتجعلوا للهاندادًاو انتم تعلمون.

اللہ کی ذات کو اس کی مخلوقات پر قیاس کرنا

رہا صاحب کتاب کا یہ قول: ولا یقاس بخلقه ''اس کی ذات کو اس کی مخلوقات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا'' تو اس سے مقصود یہ ہے کہ الٰہی امور میں کسی بھی قسم کے ایسے قیاسات کا استعمال جائز نہیں جن سے مقیس اور مقیس علیہ کے درمیان مساوات ومماثلت لازم آتی ہو۔

ایسے قیاسات میں سے ایک ہے قیاس تمثیل جو کہ علماء اصولیین کے پاس معروف ہے اس کی تعریف یوں ہے:

الحاق فرع بأصل فی حکم الجامع

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی ایک ہی حکم میں فرع کو اصل کے ساتھ ملا دینا۔ مثلاً شراب کی حرمت کے حکم میں نبیذ کو شامل کر لینا کیونکہ اس حکم کی علت میں دونوں شریک ہیں وہ علت ہے اسکا رونشہ۔

قیاس تمثیل کا دارومدار اصل اور فرع کے مابین مماثلت کے وجود پر ہے اور اللہ تعالیٰ کی اس کی مخلوقات میں سے کسی کے ذریعہ تمثیل بیان کرنا جائز نہیں۔

اور اسی طرح قیاس شمول جو کہ منطقیوں کے پاس معروف ہے وہ یہ ہے:

الاستدلال بکلی علی جزئی بواسطة اندراج ذالک الجزئی مع غیرہ تحت ھذاالکلی."

یعنی اس قیاس کا دارومدار بھی اس کلی کے ماتحت افراد کی برابری پر ہے اس لئے ان افراد پر وہی حکم صادق آئے گا جو اس کلی پر صادق آتا ہے۔

یہ بات طے شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوقات کے مابین کسی بھی قسم کی مساوات اور مماثلت ممکن ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حق میں اگر کوئی قیاس درست ہوسکتا ہے تو وہ ہے "قیاس اولی"۔ قیاس اولی کا مضمون یہ ہے کہ ہر وہ کمال جو مخلوقات کے لئے ثابت ہے اور یہ بھی ممکن ہو کہ اس سے خالق بھی متصف ہو تو مخلوق کے مقابلے میں خالق اس کا زیادہ مستحق ہوگا اور اسی طرح ہر وہ نقص وعیب جس سے مخلوق منزہ اور بری ہو تو خالق ان نقائص وعیوب سے بدرجۂ اتم منزہ اور پاک ہوگا۔

اسی طرح قاعدۂ کمال کا استعمال بھی درست ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ جب دو افراد کو پرکھا جائے تو ان میں سے ایک صفت کمال کے ساتھ متصف ہو اور دوسرے کے لئے اس سے متصف ہونا محال ہو تو ان دونوں میں پہلا دوسرے کے مدمقابل اکمل ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے لئے ان صفات کو ثابت کرنا واجب ہے جن کے وجود سے کمال اور جن کے نہ ماننے سے نقص لازم آتا ہو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صفات کے بارے میں وارد نصوص کی حیثیت

فانه أعلم بنفسه وبغيره وأصدق قيلا، وأحسن حديثا من خلقه ثم رسله صادقون مصدقون بخلاف الذين يقولون عليه مالايعلمون. ولهذا قال ﴿سبحان ربک رب العزة عمايصفون وسلام على المرسلين والحمدلله رب العالمين.﴾ فسبح نفسه عما وصفه به المخالفون للرسل وسلم على المرسلين لسلامة ماقالوه من النقص والعيب.

صاحب کتاب کا قول ''فانہ أعلم سے ثم رسلہ صادقون مصدقون'' تک، کتاب وسنت میں واردشدہ جملہ صفات پر ایمان لانے کے سلسلے میں مذہب سلف کی درستگی کی تعلیل میں واقع ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ جب اپنے اور دوسروں کے بارے میں سب سے زیادہ علم رکھنے والا، اپنے قول میں سب سے سچا اور طرز کلام میں سب سے بہتر ہے نیز اس کے تمام رسول وانبیائے کرام بھی اس کے متعلق خبر دینے میں سچے، اس کی شان میں کذب بیانی یا اس کے متعلق خلاف واقع خبر دینے سے بری اور معصوم ہیں تو صفات کے باب میں چاہے ان کا تعلق نفی سے ہو یا اثبات سے، اللہ تعالیٰ کے فرمان اور اس کے اس رسول کے فرمان پر جو کہ اس کے بارے میں اس کی جملہ مخلوقات سے زیادہ علم رکھتا ہے اعتماد وبھروسہ کرنا واجب اور ضروری ہوجاتا ہے۔ اور اسے اللہ تعالیٰ پر محض جھوٹی افترا بازی اور اس کے متعلق بے علمی کی باتیں کرنے والوں کے اقوال وآراء کے مقابلے ترک نہیں کیا جاسکتا۔

اس امر کی مزید وضاحت یہ ہے کہ کسی بھی کلام کا مرادی مفہوم اگر سمجھ میں نہ آسکے تو اس کے تین اسباب میں سے کوئی ایک سبب ہوسکتا ہے۔

ا... یا تو متکلم جس سلسلے میں گفتگو کررہا ہے اس سے واقف نہیں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲......یا واقف تو ہے لیکن فصاحت وسلاست کے ساتھ بات کی وضاحت کرنے کی قدرت نہ ہو۔

۳......یا متکلم جان بوجھ کر خلاف واقع بات کہتا ہو اور اصل بات کو دھوکے سے چھپا رہا ہو۔

جہاں تک سوال ہے کتاب وسنت کے نصوص کا تو وہ ان تینوں قسم کے نقائص اور عیوب سے پوری طرح منزہ اور بری ہیں۔ کیونکہ اللہ اور اس کے رسول کا کلام تو حد درجہ واضح اور مبین ہے۔ اور بلحاظ خارجی کمال علم سے حاصل ہونے کی وجہ سے صداقت اور حقیقت حال کے موافق ہونے میں اعلیٰ نمونہ تصور کیا جاتا ہے۔ مزید برآں مخلوقات کی مکمل خیر خواہی وشفقت اور ان کی ہدایت ورہنمائی کی شدید خواہش جیسے جذبات کے ساتھ صادر شدہ ہے۔

اس کلام میں وہ تینوں امور پوری طرح شامل ہیں جو کہ دلالت وافہام کے عنصر اور جوہر تسلیم کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے پوری طرح واقف تھے جس کی اطلاع مخلوق کو دینا چاہتے تھے، اور آپ کے اندر اسے سلاست وفصاحت کے ساتھ بیان کرنے کی قدرت وطاقت بھی تھی نیز آپ مخلوق کی ہدایت اور ان کی رہنمائی کے حد درجہ شائق اور حریص بھی تھے۔ اس صورت حال میں ممکن ہی نہیں کہ آپ کے کلام میں کسی قسم کا نقص یا جھول ہو، برخلاف دوسروں کے کلام کے کیونکہ آپ کے سوا دوسروں کا کلام ان میں سے کسی یا تمام نقص اور جھول سے خالی نہیں ہوسکتا۔ اور یہ نقص ان تینوں عناصر میں سے کسی ایک میں بھی ہوسکتا ہے اور تینوں میں بھی، آپ کے کلام سے کسی اور کے کلام کا موازنہ بھی صحیح نہیں ہوسکتا چہ جائے کہ آپ کے کلام کو ترک کر کے کسی اور کا کلام اختیار کیا جائے یہ تو حد درجہ کی گمراہی اور انتہائی درجے کی سرکشی ہوگی۔

صاحب کتاب کا یہ قول و لھٰذا قال...... تعلیل ہے اس گذشتہ گفتگو کی جس میں کہا گیا ہے کہ اللہ رب العزت کا کلام اور اسی طرح اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی سچائی میں کامل، پند ونصیحت کے اعتبار سے مکمل اور دوسروں کے کلام کے مقابلے میں ہر قسم کے عیوب ونقائص سے پوری طرح منزہ اور محفوظ ہے۔

﴿سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون.﴾

سبحان: یہ لفظ ''التسبیح'' سے اسم مصدر ہے جس کا معنی ہے ہر قسم کے عیب ونقص سے منزہ اور پاک۔ اس کی اصل ''سبح'' ہے جو سرعت، انطلاق اور ابعاد کے معنی میں مستعمل ہے۔ اسی سے تیز رفتار گھوڑے کو ''فرس سبوح'' کہا جاتا ہے۔

''رب العزت'' میں عزت کی طرف رب کی اضافت ''اضافت موصوف الی صفت'' کی قبیل سے ہے۔ ''رب العزۃ'' میں ''رب'' پہلے جملے میں واقع رب سے بدل واقع ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو ان تمام نقائص وعیوب سے منزہ اور پاک بتایا ہے جنہیں مشرکین اس کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ مثلاً صاحب آل واولاد ہونا وغیرہ۔ پھر اس کے معاً بعد اپنے تمام انبیاء ورسل پر سلامتی بھیجی۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح اللہ کی ذات کو ہر قسم کے عیوب ونقائص سے منزہ اور پاک ثابت کرنا ضروری اور واجب ہے ویسے ہی انبیائے کرام کے لئے بھی ان کے اقوال وافعال میں ہر قسم کے عیب ونقص سے پاک اور محفوظ رہنے کا اعتقاد رکھنا لازم ہے۔ چنانچہ یہ لوگ نہ تو اللہ پر کوئی الزام لگاتے ہیں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بناتے ہیں اور نہ ہی اپنی قوم کے ساتھ کوئی دھوکہ وخیانت کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت کے بارے میں سوائے حق کے کوئی اور بات نہیں کہتے۔

بعد کی آیت ''والحمد للہ رب العالمین'' میں اللہ تعالیٰ نے اپنی حمد وثنا بیان کی ہے۔ کیونکہ وہی ہے جس کے لئے مکمل کمالی صفات اور جلالی اوصاف ثابت ہیں نیز قابل ستائش امور وافعال کا مالک بھی وہی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب صفات میں نفی واثبات

وھو سبحانہ قد جمع فیما وصف وسمیٰ بہ نفسہ بین النفی والاثبات.

گذشتہ صفحات میں صاحب کتاب نے اس بات کی صراحت فرمائی کہ اہل سنت والجماعت اللہ تعالیٰ کو انہی صفات سے متصف مانتے ہیں جن سے خود اس نے اپنے آپ کو متصف کیا ہے یا اس کے رسول نے جن صفات کا اس کو حامل قرار دیا ہے۔ اس کی ذات کو صفات سے متصف کرنے کا طریقہ نہ تو مکمل اثباتی ہی ہے اور نہ ہی مکمل نفی کی صورت میں، پھر اسی موقف کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے فرماتے ہیں:

وھو سبحانہ قد جمع فیما وصف وسمیٰ بہ نفسہ بین النفی والاثبات.

''یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات وصفات سے متعلق ان تمام چیزوں کو جمع کر دیا جو نفی واثبات کرتے ہوئے اس نے بذات خود اپنے لئے بیان کیا۔''

یہ بات ذہن نشین رہے کہ اسماء وصفات کے اندر اثبات اور نفی کے موقف میں اجمال بھی ہے اور تفصیل بھی۔

نفی میں اجمال یہ ہے کہ ہر قسم کے عیوب ونقائص سے جو کہ اللہ تعالیٰ کے کمال کے منافی اور مخالف ہیں اس کی ذات کو منزہ اور پاک قرار دیا جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے: ''لیس کمثلہ شئ'' کوئی چیز اس کے مثل نہیں۔ (سورہ شوری: ۱۱)

﴿ھل تعلم لہ سمیا﴾ ''کیا تم اس کا کوئی ہمنام جانتے ہو؟'' (مریم: ٦٥)

﴿سبحان اللہ عما یصفون﴾ ''اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔'' (الصافات: ۱۵۹)

نفی کے اندر تفصیل کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کے عیوب اور نقائص میں بالتفصیل ہر ایک عیب سے اس کی ذات کو منزہ اور بری ثابت کیا جائے۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ کسی کا والد نہیں، کسی کا ولد نہیں، کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس کی بیوی نہیں اور اسی طرح نہ تو اس کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی ہمسر ہے اور نہ ہی ضد۔اسی طرح اللہ تعالیٰ جہل ،عجز،ضلال،نسیان،اونگھ،نیند اورعبث وباطل وغیرہ وغیرہ ان تمام عیوب اورنقائص سے منزہ اور پاک وصاف ہے، لیکن واضح رہے کہ صفات کے باب میں نفی محض نہ تو کتاب اللہ میں ہے اور نہ سنت رسول ؐ میں، کیونکہ صرف نفی قابل مدح نہیں ہے۔ان دونوں صورتوں میں چاہے نفی اجمالی ہو یا تفصیلی مقصود صرف یہ ہے کہ ایسی صفت ثابت کی جائے جو اس کے برعکس کمال پر دلالت کرتی ہو، چنانچہ شریک اور مثل کی نفی اللہ تعالیٰ کی کمال عظمت اور کمالی صفات میں اس کی انفرادیت ثابت کرنے کے لئے ہے۔اوراس کی ذات سے عجز کی نفی سے اس کی کمال قدرت ثابت ہوتی ہے۔جہل کی نفی سے اس کے علم کی وسعت واحاطے کا اثبات ہوتا ہے۔اسی طرح ظلم کی نفی میں اس کے کمال عدل،عبث کی نفی سے اس کی کمال حکمت، اونگھ،نینداورموت کی نفی سے اس کی کمال حیات اورصفت قیومیت کا اثبات ہوتا ہے۔

چونکہ نفی محض قابل مدح نہیں ہے اسی لئے کتاب وسنت میں اگر نفی کا بیان بھی ہوا ہے تو اکثر وبیشتر اجمالی ہے برعکس اثبات کے کیونکہ اثبات میں اجمال سے زیادہ تفصیل ہے،اس کی وجہ یہ ہے کہ مقصود بالذات یہی ہے۔

اثبات کے اندر اجمال یہ ہے کہ بالعموم تمام کمالی صفات اور حمد ومجد کو ثابت کیا جائے ،جس کی طرف اشارہ اللہ کے اس قول میں ملتا ہے۔ **"الحمدللہ رب العالمین"** کامل حمد وثنا اللہ کے لئے ثابت ہیں۔دوسری جگہ ارشاد ہے: **"وللہ المثل الأعلی"** "اوراللہ کے لئے تو سب سے عمدہ مثال ہے۔" (النحل:٦٠)

اب رہی دوسری صورت اثبات کے اندر تفصیل کی تو اس ضمن میں ہر وہ اسم اورصفت داخل ہے جو کتاب وسنت میں وارد ہے۔ان اسماء وصفات کی تعداد اس قدر ہے کہ شمار سے باہر ہے ان میں کچھ اسماء وصفات ایسے بھی ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"سبحانک لانحصی ثناء علیک أنت کما اثنیت علی نفسک."

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

”تو منزہ اور پاک ہے، ہم تیری خوبیوں کا شمار نہیں کر سکتے، تو ویسا ہی ہے جیسی تو نے اپنی تعریف کی“

اور ایک حدیث میں یوں ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کرب ومصیبت کے وقت دعا سکھلائی ہے:

”أسألک بکل اسم هو لک سميت به نفسک أو أنزلته في كتابک أو علمته أحداً من خلقک أو استأثرت به في علم الغيب عندک.“

”میں سوال کرتا ہوں تیرے اس نام کے ذریعے جسے تو نے اپنے لئے پسند فرمایا یا تو نے اپنی کتاب میں نازل کیا، یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا یا اپنے علم غیب میں اسے محفوظ رکھا.........“ (صحیح۔احمد وابن حبان)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صراط مستقیم

فلاعدول لأهل السنة والجماعة عما جاء به المرسلون فانه الصراط المستقيم صراط الذين أنعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين.

یہ گذشتہ تفصیل کا ماحصل ہے جس میں کہا گیا ہے کہ انبیائے کرام کے ذریعے لائے گئے امور برحق ہیں جن کی اتباع واجب اور انحراف کسی بھی صورت میں درست نہیں، اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ یہی صراط مستقیم ہے یعنی سیدھا اور متعدل راستہ جس میں ذرا بھی کجی اور ٹیڑھا نہیں ہے۔

صراط مستقیم صرف ایک ہی ہوسکتا ہے جو بھی اس سے نکل بھاگا اور جس نے بھی اس سے انحراف کیا گویا وہ ذلت وگمراہی کے راستوں میں سے کسی ایک راستے میں پھنس گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وأن هذا صراطي مستقيما فاتبعوه ولاتتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله. (الأنعام: ۱۵۳)

''اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے لہٰذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو وہ اس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں پراگندہ کردیں گے۔''

صراط مستقیم امت وسط کا راستہ ہے جو افراط وتفریط کے درمیان واقع ہے، اسی لئے اللہ رب العزت نے ہمیں اس بات کی تعلیم دی اور حکم دیا کہ ہم نماز کی ہر رکعت میں اس سے سوال کریں کہ ہمیں صراط مستقیم پر چلائے، یعنی اس راستے کے اختیار کرنے اور پیروی کرنے کی توفیق بخشے، کیونکہ یہ ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے اور وہ ہیں انبیائے کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین، یہ لوگ کتنے بہترین رفیق اور دوست ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سورۂ اخلاص

وقد دخل فی هذه الجملة ماوصف اللّٰہبه نفسه من سورة الأخلاص التی تعدل ثلث القرآن حیث یقول: قل هو اللّٰہأحد، اللّٰہالصمد، لم یلد ولم یولد، ولم یکن له کفوا أحد.

یہاں سے کتاب وسنت کے وہ نصوص بیان کئے جارہے ہیں جن سے اسماء وصفات کے اندر نفی واثبات کے موقف پر ایمان لانے کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ ...اور ابتداء سورہ اخلاص جیسی عظیم سورہ سے ہوئی، کیونکہ یہ پوری سورہ ایک ایسے مضمون پر مشتمل ہے جن پر دوسری مکمل سورتیں مشتمل نہیں ہیں، شرک وبت پرستی کے شوائب سے پاک خالص توحید کے تذکرے کے سبب اس کا نام سورۂ اخلاص رکھا گیا۔

مسند احمد بن حنبل میں اس سورہ کے سبب نزول کے بارے میں اُبی بن کعبؓ سے ایک روایت منقول ہے کہ مشرکین نے آپ سے کہا کہ آپ اپنے رب کا نسب نامہ بیان کیجئے۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ پوری سورت نازل فرمائی۔

صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ یہ سورہ ثلث قرآن کے برابر ہے لیکن اس کی توضیح کے سلسلے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، ان تمام اقوال میں اقرب الی الصحیح وہ قول ہے جسے شیخ الاسلام نے ابوالعباس سے نقل کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم تین بنیادی مقاصد پر مشتمل ہے:

۱......اُوامر اور نواہی، جن کا تعلق ان امور سے ہے جو عملی ہیں اور یہی علم فقہ واخلاص کا موضوع بھی ہے۔

۲......قصص اور اُخبار، جو کہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے احوال اور ان کے ساتھ ان کی امتوں کے رویے اور ان کی تکذیب کرنے والوں کی ہلاکتوں کی مختلف اقسام نیز وعدہ ووعید اور ثواب وعقاب کے احوال پر مشتمل ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳.....علم توحید اور وہ تمام امور جن کی اللہ تعالیٰ کی اس کے اسماء وصفات کے ذریعے معرفت بندوں پر واجب ہے۔ اور یہ تیسری قسم ان میں سب سے اشرف وافضل ہے۔ اجمالی طوز پر اس سورہ کے اس علم کے اصول پر مشتمل ہونے کے سبب یہ کہنا صحیح اور درست ہے کہ یہ سورہ ثلث قرآن کے برابر ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ یہ سورہ علوم توحید کے مکمل اصول پر کیسے مشتمل ہے جو کہ توحید عملی واعتقادی کے سنگم ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

اللہ تعالیٰ کا یہ قول ﴿اللہ أحــد﴾ اس کی ذات وصفات اور افعال میں ہر پہلو سے شریک وساجھیدار کی نفی کرتا ہے اور ساتھ ہی اس سے اس کی عظمت وبزرگی، جلالت وکبریائی کے ساتھ یکتائی اور انفرادیت ظاہر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لفظ اُحد کا استعمال صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے جو کہ ''واحد'' کے مقابلے میں زیادہ بلیغ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے قول ﴿اللہ الـصــمـد﴾ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں کی ہے:

> ''سید جو اپنی سیادت اور اقتدار میں درجۂ کمال تک پہونچا ہوا ہو، شریف جو اپنی شرافت میں کامل ہو، عظیم جو اپنی عظمت وبزرگی میں درجۂ کمال پر فائز ہو، حلیم وبردبار جو اپنی بردباری میں مکمل ہو چکا ہو، غنی وبے نیاز جو اپنی بے نیازی میں کامل ہو، علیم جو اپنی صفت علم میں کامل ہو، صاحب قدرت وتسلط جو اپنی قدرت تسلط میں کامل ہو، حکیم جو اپنی حکمت میں کامل ہو، اور وہ جو شرف وسیادت کی تمام انواع میں کامل درجہ رکھتا ہو وہ صرف اللہ کی ذات ہے یہ اسی کی صفت ہے جو صرف اسی کے لائق ومناسب ہے اس کا کوئی ہمسر نہیں، اور کوئی شیٔ اس کے مثل بھی نہیں۔''

صــمـد کی تفسیر ''الـذی لا جـوف فیـہ'' سے بھی کی گئی ہے جس کا معنی، جس کا کوئی پیٹ نہ ہو' اس کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ وہ اللہ کی ذات ہی ہے جس کی طرف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پوری مخلوق رخ کرتی ہے اور اپنی جملہ حاجات ومہمات میں اسی کی طرف قصد کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے یکتائی اور احدیت کی صفت ثابت کرنے سے اس کے ساتھ کسی چیز کی مشارکت ومماثلث کی نفی ہوتی ہے اور اسی طرح بیان کردہ تمام معنوں کے ساتھ صفت صمدیت کے اثبات سے اس کے اسمائے حسنیٰ اور بلند وبرتر صفات کی تمام تر تفاصیل کا اثبات صادق آتا ہے۔ اور اسی کا نام توحید اثباتی ہے۔

رہی دوسری قسم تو وہ ہے ''توحید تنزیہی'' اس کا ذکر سورۂ اخلاص کی آخری دو آیتوں میں ہے:۔

﴿لم يلد ولم يولد. ولم يكن له كفواً أحد﴾

''نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔''

اس توحید کا اجمالی تذکرہ اس سورہ کی پہلی آیت ﴿قل هو الله أحد﴾ میں بھی موجود ہے۔

یعنی نہ تو اس سے کوئی چیز نکلی ہے اور نہ کسی کا جزء ہے اور نہ تو کوئی اس کی برابری کرنے والا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی مماثل اور نظیر ہے۔

غور کیجئے کہ یہ سورہ کس قدر مکمل طور پر عقیدۂ توحید اور معرفت توحید پر مشتمل نظر آتی ہے نیز ان صفات پر بھی جن کا اثبات اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے واجب اور ضروری ہے مثلاً اُحدیت اور یکتائی کا اثبات جس سے مشارکت کی نفی ہوتی ہے۔ صفت صمدیت کا اثبات جس سے اللہ تعالیٰ کے لئے وہ تمام کمالی صفات ثابت ہوتی ہیں جن میں کسی بھی قسم کا کوئی نقص نہیں، اور اسی طرح اس کے لئے ولد ووالد کی نفی جو اس کی بے نیازی، اس کی صمدیت اور اس کی یکتائی کے لوازم میں سے ہے، پھر ہمسری کی نفی جو کہ تشبیہ، تمثیل اور نظیر کی نفی پر مشتمل ہے۔

تو جو سورہ ان تمام معارف پر مشتمل ہو تو وہ ثلث قرآن کے برابر کیوں نہیں ہوگی۔؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آیۃ الکرسی

وما وصف به نفسه فی اعظم آیة فی کتابه حیث یقول:

﴿الله لااله الاهو الحی القیوم. لاتأخذه سنة ولا نوم له مافی السمٰوات وما فی الأرض من ذاالذی یشفع عنده الا باذنه یعلم مابین ایدیهم وما خلفهم ولایحیطون بشیٔ من علمه الا بماشاء وسع کرسیه السمٰوات والأرض ولا یئوده حفظهما وهو العلی العظیم﴾

صحیح مسلم میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا: ''اللہ کی کتاب میں سب سے عظیم آیت کون سی ہے؟ انہوں نے کہا: اللہ اوراس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہی سوال کئی بار دہرایا، پھر اُبی بن کعبؓ نے جواب دیا: آیۃ الکرسی، تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ان کے کندھے پر رکھا اور فرمایا: یہ علم تمہیں مبارک ہو، ابومنذر! اُحمد کی روایت میں الفاظ یوں ہیں: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس (آیت الکرسی) کی ایک زبان اور دو ہونٹ ہیں عرش کے پاس اللہ تعالیٰ کی تعظیم وتقدیس بیان کرتے ہیں۔''

یہ کوئی قابل تعجب بات نہیں کیونکہ اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت کے ان اسماء صفات کا تذکرہ ہے جو اس کے علاوہ کسی دوسری آیت میں نہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق اس بات کی خبر دی ہے کہ وہ اپنی الوہیت میں تنہا اور اکیلا ہے جس کی بنیاد پر عبادت کی تمام تر قسمیں اور صورتیں صرف اور صرف اسی کو زیب دیتی ہیں۔ پھر آگے مسئلۂ توحید کا تذکرہ ان دلائل وشواہد کے ذریعے کیا جو اس مسئلے کو واضح کرتے ہیں، اور بطور دلیل وشاہد کے اپنے خصائص وکمال صفات کا ذکر فرمایا۔ چنانچہ اس نے بیان کیا کہ حقیقی زندگی اسی کو حاصل ہے جو کمال حیات سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متصف ہے کیونکہ اس کی حیات اس کی ذات کے لوازم میں سے ہے، گویا اس کی حیات ازلی وابدی ہے اور اس کے اپنی حیات میں صفت کمال کے ساتھ متصف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی جملہ ذاتی صفات بھی لازماً صفت کمال سے متصف ہوں گی، یعنی عزت وقدرت، علم وحکمت، سمع وبصر، ارادہ ومشیئت وغیرہ تمام صفات بھی کامل درجے کی ہوں گی، کیونکہ ان میں سے کوئی صفت اگر اس کے ساتھ متصف ہونے سے رہ جائے تو اس کی صفت حیات میں نقص لازم آئے گا۔ چنانچہ اگر اسے حیات میں کمال حاصل ہے تو اس کی دوسری وہ تمام صفات بھی کامل درجے کی ہوں گی جو اس کی حیات کاملہ کے ساتھ لازم ہیں۔

پھر اسی سے متصل اپنے ایک اسم ''قیوم'' کا ذکر فرمایا جس کا معنی ہے وہ ذات جو خود مختار اور اپنی مخلوقات سے اس طرح بے نیاز ہو کہ اس میں ذرا بھی حاجتمندی کا شائبہ تک نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی ذاتی ہے، اور تمام تر موجودات اسی کی ذات سے مرتبط ہیں کیونکہ یہ سب کے سب ذاتی طور پر اس کے اس قدر محتاج ہیں کہ لمحہ بھر کے لئے بھی اس سے مستغنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتے، اس نے ان تمام کو بالکل مضبوط اور مناسب طریقے پر پیدا کیا ہے، ان کے متعلق جملہ امور کا انتظام اور ان کی بقاو مقرر کردہ کمال وانتہا تک پہونچنے کے لئے درکار تمام اشیاء سے مدد بھی وہی کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا اسم ''قیوم'' ان تمام کمالی صفات کو شامل ہے جن کا تعلق فعل سے ہے۔ اسی طرح اس کا اسم ''حی'' ان تمام کمالی صفات پر دال ہے جن کا تعلق ذات سے ہے۔ اسی بنا پر حدیث میں اس بات کی صراحت بیان کی گئی ہے کہ ''حی'' اور ''قیوم'' یہ اللہ تعالیٰ کے دو اسم اعظم ہیں، جب بھی ان کے واسطے سے سوال کیا جائے گا تو ملے گا۔ اور جب بھی اس کے ذریعے دعا کی جائے گی مقبول ہوگی۔

پھر اس کے معاً بعد ان امور کا تذکرہ فرمایا جن سے اللہ تعالیٰ کی کمال قیومیت ظاہر ہوتی ہے.......... فرمایا: (لاتأخذہ سنة ولا نوم) ''اس پر اونگھ اور نیند کا غلبہ نہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتا'' کیونکہ یہ چیزیں قیومیت کے منافی ہیں۔ اور نیند کو تو اُخوالموت کہا گیا ہے۔ اسی لئے اہل جنت کو نیند بھی نہیں آئے گی۔

پھر آگے اپنی ملکیت وتسلط کا تذکرہ فرمایا کہ بالائی وزیریں تمام کائنات اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ چنانچہ فرمایا: (له مافی السموات ومافی الأرض) ''آسمان اور زمین کی تمام چیزیں اسی کی ملکیت میں ہیں''

آگے ان امور کا تذکرہ کیا جو اس کی کامل ملکیت اور اقتدار کو ثابت کرتے ہیں۔ فرمایا: (من ذاالذی یشفع عنده الا باذنه) یعنی سفارش وشفاعت بھی مکمل طور پر اسی کی ملکیت میں ہے، اس کی اجازت کے بغیر کوئی بھی اس کے پاس سفارشی بن کر نہیں آسکتا۔ آیت کریمہ کے اس جزء میں نفی اور استثناء سے دو باتوں کا اشارہ ملتا ہے۔

۱......سب سے پہلی بات یہ کہ شفاعت صحیحہ ثابت ہے، اور یہ اس شخص کے حق میں ہوگی جس کے قول وعمل سے اللہ رب العزت راضی وخوش ہوگا۔

۲......دوسرے یہ کہ اس شفاعت شرکیہ کا ابطال ہوتا ہے جس کا مشرکین اپنے اصنام کے سلسلے میں اعتقاد رکھتے ہیں، مشرکین اپنے اصنام کے تعلق سے اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ سب اصنام اللہ کی اجازت اور اس کی رضا کے بغیر ان کے لئے سفارشی بن کر آئیں گے۔

اس کے بعد اس نے اپنے علم کی وسعت اور اس کے احاطے کو بیان کیا کہ ماضی اور مستقبل کے جملہ امور میں سے کچھ بھی اس سے مخفی و پوشیدہ نہیں، اور اس کی مخلوق تو اس کے علم کو پا ہی نہیں سکتی، (ولا یحیطون بشیئ من علمه) میں من علمہ کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مخلوق اس کی معلومات میں سے کچھ بھی پا نہیں سکتی۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی اس کے اسماء وصفات کے علم کو پا نہیں سکتا الا یہ کہ اللہ تعالیٰ خود انہیں اس کا علم دینا چاہے یا تو اپنے رسولوں کے زبانی یا اس کے علاوہ کسی اور طریقے سے۔

پھر ان امور کا ذکر کیا جو اس کی عظیم ملکیت اور اس کے اقتدار وتسلط کی وسعت پر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دال ہیں، فرمایا(وسع کرسیه السمٰوات والأرض) کہ اس کی کرسی پورے آسمان وزمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ کرسی کے سلسلے میں صحیح بات یہ ہے کہ یہ عرش کے علاوہ ایک شئ ہے، اور یہ ہے دونوں قدموں کے رکھنے کی جگہ۔ عرش کے سامنے جس کی حیثیت اس انگوٹھی کی سی ہے جو ایک بڑے سے چٹیل میدان میں رکھی ہوئی ہو۔

ابن کثیرؒ نے ابن عباس سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں کرسی کی تفسیر علم سے کی گئی ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اس کے صحیح ماننے کی صورت میں آیت کے اندر تکرار لازم آئے گی۔

اور پھر اپنی عظیم قدرت اور کمال قوت کی خبر ان الفاظ میں دی:(ولا یؤده حفظهما) ''یعنی آسمان وزمین اور اس کے مابین کی نگرانی اس کو تکان میں نہیں ڈالتی'' یؤده کی تفسیر شیخ نے یثقله ویکثره سے کی ہے۔ اگر کوئی چیز کسی پر بھاری اور گراں گزرے تو اس وقت کہا جاتا ہے ''آده الأمر'' یعنی معاملے نے اس کو تھکا دیا۔

اور اختتام آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان دوصفات کو اپنے ساتھ متصف فرمایا: (وهو العلي العظيم) ''یعنی وہ بلندی اور عظمت والا ہے''۔

پہلی صفت ''العلی'' کا مطلب ہے وہ ذات جس کے لئے مطلقاً ہر پہلو سے علو اور بلندی ثابت ہو۔

علو ذات: ذات کے اعتبار سے بلند ہونے کا مطلب ہے اس کا تمام مخلوقات سے بلند عرش پر مستوی ہونا۔

علو قدر: قدر ومنزلت کے اعتبار سے بلند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لئے جتنی بھی صفات ثابت ہیں سب کامل درجے کی ہیں، اور ان تمام کامل صفات میں بھی جو سب سے بلند اور اعلیٰ مرتبہ کی ہیں وہ صرف اسی کے لئے ہیں۔

علو القهر: وہ غلبے اور تسلط کے اعتبار سے بھی بلند وبالا ہے کیونکہ وہ اپنے تمام بندوں پر غالب ہے اور وہی حکیم اور خبیر بھی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی دوسری صفت ''العظیم'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ صفت عظمت کے ساتھ اس طرح متصف ہے کہ اس سے بڑھ کر نہ تو کوئی عظمت والا ہے اور نہ ہی اس سے بڑھ کر کوئی جلالت شان اور بزرگی والا ہے۔اس کے انبیائے کرام، ملائکہ اور اس کے مخلصین کے دلوں میں صرف وہی کامل تعظیم کے لائق ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ کی چار صفات

وقوله سبحانه:

هو الأول والآخر والظاهر والباطن وهو بكل شئ عليم. (الحديد:۳)

اس آیت کریمہ میں دو متقابل صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اس میں اللہ تعالیٰ کے ان چار خصوصی اسماء کا ذکر ہے جن کے معانی اس کے جلال وعظمت کے مطابق اسی کے لئے خاص ہیں، ان میں سے کوئی ایک بھی کسی اور کی صفت نہیں بن سکتا۔

ان اسماء کی تفسیر کے سلسلے میں متکلمین کی عبارتیں مضطرب و متناقض ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان کی تفسیر کے بعد ان تفسیروں کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر تشریف لے جاتے تو یہ دعا فرماتے تھے:

”اے اللہ! تو ساتوں آسمان وزمین کا رب ہے، اور عرش عظیم کا رب ہے، تو ہمارا اور ساری کائنات کا رب ہے، دانے اور بیجوں کو پھاڑنے والا ہے، تورات وانجیل کو نازل کرنے والا ہے، میں تیری پناہ چاہتا ہوں اپنے نفس کے شر اور اس جاندار کے شر سے جس کی جان تیرے ہاتھ میں ہے، تو ہی اول ہے تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں، اور تو ہی آخر ہے تیرے بعد کوئی چیز نہیں، اور تو ہی ظاہر ہے تیرے اوپر کوئی شئ نہیں، اور تو ہی باطن ہے تجھ سے ورے کوئی شئ نہیں، میرے قرضوں کو ادا کردے اور مجھے فقر سے نجات دے۔“ (مسلم)

یہ ایک واضح اور جامع تفسیر ہے جو اللہ کی کمال عظمت کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔اور اس سے اس بات کا بھی علم ہوتا ہے کہ وہ تمام تر پہلوؤں سے ہر شئ کو گھیرے ہوئے ہے۔”الأول والآخر“ ان دونوں اسماء سے احاطۂ زمانی اور ”الظاهر والباطن“

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے احاطۂ مکانی کی وضاحت ہوتی ہے، اسی طرح "الظاہر" سے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ وہ اپنی تمام تر مخلوقات پر بلند ہے۔ ان میں سے کوئی بھی شئی اس کے اوپر نہیں ہے۔

ان چاروں اسماء کا مدار احاطہ اور وسعت پر ہے، چنانچہ اس کے اول و آخر ہونے کی کیفیت اوائل و اواخر کو گھیرے ہوئے ہے اور اس کی ظاہریت و باطنیت ہر ظاہر و باطن کا احاطہ کئے ہوئے ہے، نیز اس کا اسم "الأول" اس کے قدیم و ازلی ہونے پر دال ہے، اور دوسرا اسم "الآخر" اس کی بقاو ابدیت کی خبر دیتا ہے۔ اور تیسرا اسم "الظاہر" اس کی بلندی و عظمت کا پتہ دیتا ہے، اور چوتھے اسم "الباطن" سے اس کا قرب اور اس کی معیت ثابت ہوتی ہے۔ پھر اس آیت کا اختتام ایک ایسی خبر ہوا جس کے ذریعے جملہ امور سے متعلق اس کی واقفیت اور اس کے علم کی وسعت کا پتہ چلتا ہے۔ ان امور کا تعلق ماضی، حال و مستقبل کے احوال سے ہو یا بالائی و زیریں کائنات کی اشیاء سے ہو یا قطعی و امکانی اور محالی امور سے آسمان و زمین کی کوئی بھی شئی اس سے ذرہ برابر بھی مخفی نہیں ہے، پس مذکورہ تمام آیت صریح طور پر یہ واضح کر رہی ہے کہ وہ اپنی تمام مخلوقات کا ہر جانب سے احاطہ کئے ہوئے ہے، نیز اس کے قبضۂ قدرت میں پوری کائنات کی حیثیت رائی کے ایک دانے کی طرح ہے جس کا کوئی بھی حصہ پکڑ سے الگ نہیں ہوسکتا۔

ان چاروں صفات کے درمیان باوجودیکہ یہ ایک ہی موصوف کی صفات ہیں واو عطف داخل کیا گیا ہے، یہ اضافہ معنی میں ثبوت اور تاکید پیدا کرنے کے لئے ہے، کیونکہ حرف واو صفت متقدم کی تاکید کرتا ہے، اور ان دو متقابل صفات کے مابین واو کا ادخال مستحسن بھی ہے جن میں عدم اتصال کا وہم ہو، کیونکہ ظاہری اعتبار سے اولیت آخریت کے منافی ہے اور یہی حال باقی دو صفات الظاہر و الباطن کا بھی ہے، اس تاکید سے اس قسم کا وہم دفع ہوگیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صفت علم اور بعض صفات کا اثبات

وقوله سبحانهٗ :

وتوکل علی الحی الذی لایموت. (الفرقان : ۵۸)

وقولهٗ سبحانهٗ: (وهو العلی الحکیم).

(وهو العلیم الخبیر).

(یعلم مایلج فی الأرض ومایخرج منها، وماینزل من السماء ومایعرج فیها). (الحدید : ۴)

(وعنده مفاتیح الغیب لایعلمها الاهو ویعلم مافی البر والبحر وماتسقط من ورقة الا یعلمها ولاحبة فی ظلمات الأرض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین.) (الانعام : ۵۹)

وقولهٗ: (وماتحمل من انثیٰ ولاتضع الا بعلمه). (فاطر : ۱۱)

وقولهٗ: (لتعلموا أن اللّٰه علیٰ کل شیٔ قدیر. وأن اللّٰه قد أحاط بکل شیٔ علماً.) (الطلاق : ۱۲)

ان تمام آیات کو مولفؒ نے چند اسماء وصفات کو ثابت کرنے کی غرض سے ذکر کیا ہے، چنانچہ پہلی آیت سے اس کے اسم حی کا اثبات ہورہا ہے، اور یہ اسم، موت کی نفی پر دلالت کرتا ہے جس کی ضد حیات ہے، اور گذشتہ صفحات میں یہ گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ایسی حیات کے ساتھ زندہ ہے جو کہ اس کی ذات کے ساتھ لازم ہے نہ تو کبھی اسے موت ہی آئے گی اور نہ زوال، اس کی زندگی کامل اور مکمل ہے، اسے اس صفت سے متصف ماننے کی صورت میں لازمی طور پر ایسی کمالی صفات ثابت ہوتی ہیں کہ جن کا انکار کردیا جائے تو کمال حیات کی نفی لازم آئے گی۔

اس کے علاوہ باقی آیات سے اس کی صفت علم کا اثبات ہوتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علم اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی صفت ہے جس کے توسط سے وہ تمام معلومات کا ادراک اشیاء کی ماہیت کی بنیاد پر کرتا ہے، ان میں سے کوئی بھی شئ اس سے مخفی نہیں ہوتی۔

اسی آیت میں اس کے ایک دوسرے اسم، حکیم کا بھی ذکر ہے۔ یہ حکمت سے مأخوذ ہے اس کے معنی ہیں وہ جو صرف درست اور صحیح ہی کہتا اور کرتا ہے، اس کی جانب سے کسی باطل یا عبث شئ کا صدور نہیں ہوتا بلکہ اس کا ہر تخلیقی عمل اور اس کا ہر امر اس کی حکمت کے تابع ہوا کرتا ہے۔

دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ لفظ حکیم محکم کے معنی میں ہے، گویا فعیل کے وزن پر ہوتے ہوئے بھی مفعل کے معنی میں ہے، محکم کا معنی ہے اشیاء کو ٹھیک اور مضبوط طور پر انجام دینے والا، اس کی ایجادات میں کسی بھی قسم کا تفاوت یا خلل واقع نہیں ہوسکتا، اور نہ ہی اس کی تدبیر میں کوئی خلل یا اضطراب واقع ہوتا ہے۔

اسی طرح آیت میں ایک تیسری صفت خبیر کا بھی ذکر ہے جو ''خبرہ'' سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں اعتماد و یقین کے ساتھ اشیاء کا مکمل تفصیلی علم، نیز تمام معنوی اور حسی دقائق اور باریکیوں تک مکمل رسائی حاصل کر لینا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی ہمہ گیریت اور وسعت پر دلالت کرنے والی بعض ان اشیاء کا تذکرہ کیا ہے جن کی حقیقت تک مخلوقات کی رسائی ناممکن ہے، چنانچہ فرمایا:

یعلم مایلج فی الأرض وما یخرج منها. وما ینزل من السماء وما یعرج فیها. (السبا: ۲)

یعنی زمین کے اندر دانہ، بیج، پانی، کیڑے مکوڑے اور معدنیات وغیرہ جو کچھ بھی داخل ہوتا ہے سب جانتا ہے، اسی طرح کھیتیاں، پیڑ پودے، جاری چشمے اور نفع بخش معدنیات وغیرہ جو کچھ بھی باہر نکلتا ہے سب کی خبر رکھتا ہے، نیز آسمان سے نازل ہونیوالی تمام چیزوں مثلاً برف، بارش، بجلیاں اور فرشتے وغیرہ سب کا علم رکھتا ہے اور اسی طرح

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرشتے، اعمال اور صف بستہ پرندوں وغیرہ جو کچھ بھی آسمان میں چڑھتا ہے سب کو جاننے والا ہے۔

اسی طرح اس کے بعد کی مذکورہ آیت میں فرمایا:

وعندہٗ مفاتیح الغیب لا یعلمھا الاھو. (الانعام: ۵۹)

''اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں صرف وہی جانتا ہے''۔

مفاتیح الغیب سے یا پوشیدہ اور مخفی خزانے مراد ہیں یا وہ راستے اور اسباب جن کے ذریعے ان تک رسائی ممکن ہو سکے، مفاتح مِفْتَحٌ کی جمع ہے، مفتاحٌ کی جمع بھی ہو سکتی ہے لیکن مفاعیل کی یا کو حذف کر کے۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

''غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جنہیں صرف اللہ ہی جانتا ہے''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

''ان اللہ عندہ علم الساعة وینزل الغیث ویعلم مافی الأرحام، وماتدری نفس ماذاتکسب غداً. وما تدری نفس بأی أرض تموت. ان اللہ علیم خبیر'' (لقمان: ۳۴)

''اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے، وہی بارش نازل کرتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے، کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کمائے گا، اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین پر مرے گا، بلاشبہ اللہ علیم وخبیر ہے''۔

نصِ کتاب میں مذکورہ آخر کی دو آیتیں اس بات کی وضاحت کر رہی ہیں کہ اللہ تعالٰی عالم ہے اور یہ علم اس کی ایسی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے، لیکن معتزلہ اس موقف کے خلاف ہیں بلکہ یہ لوگ صفات ہی کے منکر ہیں، یعنی ان کے پاس صفات باری کا الگ سے وجود نہیں بلکہ صفات عین ذات ہیں، اس لئے ان میں سے بعض حضرات کا خیال ہے کہ وہ بذاتہٖ عالم اور بذاتہٖ قادر ہے۔ اور انہیں میں سے بعض حضرات

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان صفات کا سلبی معنی مراد لیتے ہیں، چنانچہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علیم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ جاہل نہیں ہے، اور اس کے قادر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عاجز و مجبور نہیں ہے۔

لیکن یہ تمام آیات معتزلیوں کے موقف کو غلط ثابت کر رہی ہیں، ان میں اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ مؤنث کے حمل اور اس کے جننے کی مدت و کیفیت تک بھی اس کے علم کی رسائی ہے۔

اسی طرح ان آیات میں اس کی قدرت کے عموم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ ہر ممکن شئی سے اس کی قدرت وابستہ ہے نیز اس کا علم تمام اشیاء کو پورے طور پر احاطہ کئے ہوئے ہے، صفات کے باب میں امام عبد العزیز المکیؒ نے بشر مریسیع معتزلی سے مسئلہ علم میں مناظرے کے وقت کتنی بہترین بات کہی تھی، جس کا تذکرہ امام موصوف نے اپنی کتاب "الحیدہ" کے اندر کیا ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے اندر کہیں بھی کسی فرشتے یا کسی رسول یا کسی پرہیز گار مومن کے علم کی تعریف ان سے جہل کی نفی کرکے نہیں کی جس سے ان کا عالم ہونا معلوم ہو سکے، بلکہ ان کی تعریف اگر کی ہے تو علم کو ثابت کرکے کی ہے جس سے خود بخود جہل کی نفی ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ جس نے علم ثابت کیا اس سے خود بخود جہل کی نفی ہو گئی، لیکن جس نے صرف جہل کی نفی کر دی تو اس سے علم ثابت نہ ہو گا۔"

اللہ تعالیٰ کے عالم ہونے کی عقلی دلیل

اور اللہ تعالیٰ کے علم پر دلیل یہ ہے کہ بے علمی اور عدم واقفیت کی بنیاد پر کسی بھی چیز کی تخلیق و ایجاد امر محال ہے، کیونکہ کوئی بھی تخلیق عمل اور ارادے سے ہی ممکن ہے اور کسی بھی شئی کا ارادہ بغیر علم کے ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"ألا يعلم من خلق وهو اللطيف الخبير" (الملک : ۱۴)

"آگاہ رہو کہ اس نے جسے بھی پیدا کیا ہے اسے جانتا ہے وہ بڑا باریک بین

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور خوب خبر رکھنے والا ہے۔''

مزید مخلوقات کے اندر جو پختگی، اتقان، حیرتناک اور قابل تعجب کاریگری اور پیدائشی ہیئت کے اعتبار سے بہت سی باریکیاں پائی جاتی ہیں، وہ اپنے خالق کے سلسلے میں اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ ان تمام امور کا وجود عدم علم اور ناواقفیت کی بنیاد پر ہو ہی نہیں سکتا، مخلوقات میں بھی ایسے افراد کا وجود ہے جو عالم ہیں، اور علم کمال کی صفت ہے، چنانچہ اگر اللہ تعالیٰ کو عالم نہ مانیں تو اس کی مخلوق میں سے کچھ افراد کو اس سے بلند مرتبہ اور کامل ماننا لازم آئے گا۔؟

مخلوق کے اندر پایا جانے والا علم کل کا کل اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ ہے، تو دینے اور عطا کرنے والا بدرجۂ اولی اس صفت سے متصف ہوگا ورنہ جس فرد کے پاس جو چیز ہے ہی نہیں دوسروں کو کیسے دے سکتا ہے ؟

اس سلسلے میں فلاسفہ کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہیں ہے، کہتے ہیں کہ اشیاء کو ثابت شدہ کلی کی بنیاد پر جانتا ہے، جب کہ ان کے اس قول کی حقیقت یہ ہے کہ اس سے صفت علم کی بالکلیہ نفی ہو جا رہی ہے۔ کیونکہ خارج میں صرف جزئی کا ہی وجود ہے۔

اسی طرح قدریہ سے تعلق رکھنے والے بعض غلو پسند حضرات نے عمل کرنے سے قبل بندوں کے افعال کے متعلق اللہ کے علم کی نفی وانکار کر دیا ہے۔ صرف اس وہم کی بنیاد پر کہ عمل سے قبل بندوں کے افعال کے علم سے جبر لازم آئے گا، لیکن ان کا خیال تمام ادیان ومذاہب میں مردود و باطل ہے۔

وقولہ:

''ان اللّٰہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین'' (الذاریات: ۵۸)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے اسم رزاق کا ذکر ہے جو کہ مبالغہ کا صیغہ ہے ''رزق'' سے مشتق ہے، اس کے معنی ہیں ''جو اپنے بندوں کو اضافے اور کشادگی کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ پے در پے مسلسل رزق دے رہا ہے۔'' نیز بندوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملنے والا ہر نفع رزق ہے چاہے وہ حرام ہو یا حلال، کیونکہ اس نے لوگوں کے لئے اسے خوراک اور گزر بسر کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:

والنخل باسقات لها طلع نضيد. رزقا للعباد •

''اور کھجور کے لمبے درخت اگائے جن کے خوشے تہہ بہ تہہ پھلوں سے بھرے ہوتے ہیں، یہ بندوں کے لئے روزی ہوتی ہے۔'' (ق:۱۰)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وفی السماء رزقکم وما توعدون.

'اور آسمان میں ہی تمہاری روزی ہے اور وہ بہت کچھ ہے جن کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔'' (الذاریات:۲۲)

ہاں جس چیز کے کھانے کی اجازت ہے تو وہ حکما حلال ہوئی ورنہ حرام، البتہ رزق میں سب داخل ہے۔

آیت (ان اللہ هو الرزاق) میں جملہ اسمیہ معرفہ اور دونوں کے درمیان ضمیر فصل اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندوں تک رزق پہونچانا یہ صرف اللہ کا کام ہے۔ ابن مسعودؓ سے ایک روایت مروی ہے فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت انہیں اس طرح سکھائی تھی:

﴿انی أنا الرزاق ذو القوة المتين.﴾

''ذو القوة'' کا معنی ہے قوت والا، یہ لفظ اللہ کے اسم ''القوی'' کا ہم معنی ہے لیکن معنوی اعتبار سے زیادہ بلیغ ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طاقت وقوت میں کسی بھی قسم کا نقص نہیں ہے۔

''المتین'' اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے یہ لفظ ''متانة'' سے مشتق ہے۔ ابن عباسؓ نے اس لفظ کی تفسیر ''الشدید'' سے کی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ کے لئے سمع وبصر کا اثبات

ﻪ وقوله: ﴿ليس كمثله شئ وهو السميع البصير﴾ (الشوریٰ:١١) ﻪ

وقوله: ﴿ان الله نعما يعظكم به ان الله كان سميعاً بصيراً﴾ (النساء:٥٨)

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ سے مثلیت کی نفی کے بعد اس کے دو اسم ''سمع وبصر'' کا اثبات اس بات پر دال ہے کہ یہاں مثل ومماثلت کی نفی سے صفات کی مراد نہیں، جس کا بعض معطلہ اسی آیت سے استدلال کر کے دعویٰ کرتے ہیں بلکہ یہاں اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق کی صفات کے ساتھ مماثلت کی نفی کر کے ثابت کرنا مقصود ہے۔

علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ (ليس كمثله شئ) سے اس بات کی نفی مقصود ہے کہ اس کے ساتھ ایسا معبود یا شریک مانا جائے جو کہ عبادت وتعظیم کا استحقاق رکھے، جیسا کہ مشبہ اور مشرکین کا طرز عمل ہے، اس کا یہ مقصد نہیں کہ اس کی صفات کمال، مخلوق پر اس کی بلندی، بذریعہ کتب یا براہ راست اپنے رسولوں سے اس کے کلام وگفتگو کرنے نیز بالکل واضح طور پر سورج وچاند کی رویت کی طرح مومنین کے لئے اس کی رویت کی نفی کردی جائے۔''

سمیع کا مطلب ہے تمام اصوات کا ادراک کرنے والا خواہ وہ کتنی ہی ہلکی کیوں نہ ہو، وہ مخفی باتوں اور سرگوشیوں کو بھی سنتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو مخلوق کے سماع کے مماثل نہیں ہے۔

بصیر کا مطلب ہے اشخاص والوان میں سے تمام مرئیات کا ادراک کرنے والا خواہ یہ چیزیں کتنی ہی لطیف وباریک اور دور کیوں نہ ہوں کسی بھی قسم کے پردے یا آڑ اس کی صفت رویت پر اثر انداز نہیں ہوسکتی، یہ لفظ بروزن فعیل ہے لیکن مفعل کے معنی میں ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کے شایان شان صفت بصر ثابت ہوتی ہے۔

سنن ابوداؤد میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ آپ صلی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ (ان اللہ کان سمیعاً بصیراً) تلاوت فرمائی اور پھر اپنا انگوٹھا اپنے کان پر رکھا اور اس کی پاس والی انگلی اپنی آنکھ پر رکھا۔

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کان سے سنتا اور آنکھ سے دیکھتا ہے یہ حدیث بعض اشاعرہ کے موقف کے برخلاف ہے، یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے سننے کی کیفیت کو مسموعات کے علم سے اور دیکھنے کی کیفیت کو مبصرات کے علم سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن یہ تفسیر خطا سے خالی نہیں، کیونکہ ایک اندھا بھی آسمان کے وجود کا علم رکھتا ہے اگرچہ کہ وہ اسے دیکھتا نہیں، اسی طرح ایک گونگا شخص بھی اصوات کے وجود کو جانتا ہے اگرچہ سنتا نہیں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشیئت وارادہ کی توضیح

وقولہ: ﴿ولولا اذدخلت جنتک قلت ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ﴾ (الکہف: ۳۹)

وقولہ: ﴿ولوشاء اللہ مااقتتلوا ولکن اللہ یفعل مایرید﴾(البقرۃ: ۲۵۳)

وقولہ: ﴿أحلت لکم بھیمۃ الأنعام الا مایتلیٰ علیکم غیر محلی الصید وأنتم حرم. ان اللہ یحکم مایرید﴾ (المائدہ: ۱)

وقولہ: ﴿فمن یرد اللہ أن یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام. ومن یرد أن یضلہ یجعل صدرہ ضیقاً حرجاً کأنما یصعد فی السماء﴾ (الانعام: ۱۲۵)

یہ تمام آیات اللہ تعالیٰ کی دوصفات ''ارادہ'' و''مشیئت'' کی طرف رہنمائی کررہی ہیں، اس سلسلے میں بہت سارے نصوص وارد ہوئے ہیں۔

اشاعرہ ایسے واحد قدیم ارادے کو ثابت کرتے ہیں جوکہ ازل میں ہی تمام مرادی اشیاء سے وابستہ ہے، ان کے اس نقطۂ نظر سے ارادے سے مراوی اشیاء کا تخلف لازم آتا ہے، جب کہ معتزلی حضرات اپنے نفیٔ صفات کے موقف کی بنیاد پر صفات میں صفت ارادہ کو مانتے ہی نہیں، ان کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ حادث ہے وہ ایسے ارادے سے ارادہ کرتا ہے جوکہ حادث ہے اس کے لئے کوئی محل نہیں ہے۔ ان کے اس موقف سے صفات کا عین ذات ہونا لازم آتا ہے جوکہ حددرجہ باطل ہے۔

رہے اہل حق تو ان کے نقطۂ نظر کے مطابق ارادے کی دوقسمیں ہیں:

ارادۂ کونیہ: جسے مشیئت بھی کہا جاتا ہے، اس کا تعلق ہر اس شئ سے ہے جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنا چاہتا ہے، وہ جب کسی شئ کا ارادہ کرتا ہے اور چاہتا ہے تو وہ شئ اس کے ارادے کے فوراً بعد ہی ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے: ﴿انما أمرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون﴾ ''اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتا ہے تو وہ اس سے کہتا ہے ''کن''، یعنی ہو جا تو وہ چیز ہو جاتی ہے۔'' (یٰس : ۸۲)

حدیث صحیح میں ہے: ''اللہ نے جو چاہا ہوا اور جو نہیں چاہا نہ ہوا''۔

ارادۂ شرعیہ: یہ ارادہ اللہ تعالیٰ کے ان پسندیدہ امور سے متعلق ہے جنہیں انجام دینے کا وہ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے، اس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ملتا ہے:

﴿یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر﴾ ''اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے تمہارے ساتھ تنگی کا معاملہ نہیں کرنا چاہتا۔'' (البقرۃ:۱۸۵)

ارادۂ کونیہ و ارادۂ شرعیہ دونوں کے مابین کسی قسم کا تلازم و یکسانیت نہیں بلکہ دونوں کا تعلق الگ الگ امور سے ہے، نیز دونوں کے درمیان نسبت عموم خصوص من وجہ کی ہے، چنانچہ ارادۂ کونیہ ان امور کے اعتبار سے عام ہے جو اللہ کی مرضی اور اس کی پسند کے برخلاف ہیں۔ اور اس اعتبار سے خاص ہے کہ اس ارادے کا تعلق کافر کے ایمان لانے اور فاسق کے مطیع ہونے سے نہیں۔ اور ارادۂ شرعیہ ہر مامور بہ اشیاء سے متعلق ہونے کے اعتبار سے عام ہے۔ خواہ وہ امور واقع ہو چکے ہوں یا واقع نہ ہوئے ہوں، اور اس اعتبار سے خاص ہے کہ ارادۂ کونیہ کے ذریعے واقع شدہ امور کبھی کبھی مأمور بہ نہیں ہوا کرتے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ارادہ کی یہ دونوں قسمیں بسا اوقات جمع ہو جاتی ہیں، جیسے کہ مومن کے ایمان لانے اور کافر کے مطیع و فرماں بردار ہونے کی مثال ہیں۔ اور ارادۂ کونیہ کافر کے کفر اور عاصی کی معصیت جیسی مثالوں میں منفرد ہو جاتا ہے، جبکہ ارادۂ شرعیہ کافر کے ایمان لانے اور عاصی و گنہگار کے مطیع ہونے کی مثالوں میں منفرد ہو جاتا ہے۔

آیت کریمہ ﴿ولولا اذ دخلت جنتک قلت ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ﴾ میں اللہ تعالیٰ نے ایک بندۂ مومن کی حکایت بیان فرمائی ہے۔ یہ مومن بندہ اپنے ایک کافر دوست کو جو کہ دوعدد باغ کا مالک تھا اس بات کی نصیحت کر رہا تھا کہ اللہ کی عطا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کردہ نعمتوں کے بدلے میں اس کا شکریہ ادا کرے، اور انہیں اس کی مشیئت کے حوالے کرتے ہوئے اس کی طاقت وقوت (کو چیلنج کرنے) سے بری ہو جائے کیونکہ سوائے اس کے کوئی طاقت وقوت کا مالک نہیں۔

دوسری آیت ﴿ولو شاء الله ما اقتتلوا ولكن الله يفعل ما يريد﴾ میں رسولوں کے گزر جانے کے بعد ان کے متبعین کے درمیان آپسی بغض وحسد کی بنیاد پر اٹھے تنازعات اور جھگڑوں کی اطلاع دی گئی ہے، اور اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے سبب ہوا، اگر اللہ تعالیٰ اسے نہ چاہتا تو یہ ہرگز نہ ہوتا لیکن اس نے چاہا تو ایسا ہو کر رہا۔

آیت ﴿فمن يرد الله أن يهديه يشرح صدره للاسلام. ومن يرد أن يضله يجعل صدره ضيقاً حرجاً كأنما يصعد في السماء﴾ سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ ہدایت اور ضلالت دونوں میں سے ہر ایک کا تعلق اللہ کی مخلوق سے ہے، وہ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے یعنی جس کے اندر حق کا الہام اور اس کے قبول کرنے کی توفیق دینا چاہتا ہے تو اس کے سینے کو اسلام کے لئے اس طرح کشادہ کر دیتا ہے کہ اس کے دل میں ایک طرح کا نور داخل کر دیتا ہے جو کہ وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ اور وہ جسے گمراہ اور رسوا کرنا چاہتا ہے تو اس کے سینے کو حد درجہ تنگ کر دیتا ہے چنانچہ اس کے دل میں ایمان کا نور داخل نہیں ہو پاتا، اس کی تشبیہ اس شخص سے دی گئی جو کہ آسمان پر چڑھ رہا ہو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے محبت کا بیان

وقوله:

﴿واحسنوا ان الله يحب المحسنين﴾ (البقرة: ۱۹۵)

﴿وأقسطوا ان الله يحب المقسطين﴾ (الحجرات: ۹)

﴿فاستقاموا لكم فاستقيموا لهم ان الله يحب المتقين﴾

﴿ان الله يحب التوابين ويحب المتطهرين﴾

وقوله: ﴿قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله﴾ (آل عمران:۳۱)

وقوله: ﴿فسوف يأتي الله بقوم يحبهم ويحبونه﴾ (المائدة: ۵۴)

وقوله: ﴿ان الله يحب الذين يقاتلون في سبيله صفا كأنهم بنيان مرصوص﴾ (الصف: ۴)

وقوله: ﴿وهو الغفور الودود﴾

ان آیات سے اللہ تعالیٰ کی صفت محبت کے نتیجے میں پیدا شدہ اس کے چند افعال کا اثبات ہو رہا ہے۔ وہ بعض اشخاص یا اعمال و اخلاق سے محبت کرتا ہے اور یہ محبت کرنا اس کی ایسی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے، اور یہ اس کی اختیاری صفات میں سے ایک صفت ہے جس کا تعلق اس کی مشیئت سے ہے، چنانچہ وہ اپنی کامل حکمت کے سبب بعض اشیاء کے مقابلے میں بعض شئ سے محبت کرتا ہے۔

اشاعرہ اور معتزلہ نے صفت محبت کی نفی کر دی محض اس دعوے کی بنیاد پر کہ اس صفت کے اثبات سے اللہ کی شان میں نقص کا وہم لازم آتا ہے کیونکہ مخلوق سے اس کی محبت کا مطلب ہے مناسب یا مرغوب اشیاء کی طرف اس کا میلان۔ اشاعرہ صفت محبت کو صفت ارادہ کا حصہ تصور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بندے سے اللہ کی محبت کا مطلب اس کے سوا کچھ اور نہیں کہ وہ ان کے عزت و اکرام اور جزائے خیر عطا کرنے کا ارادہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتا ہے۔ نیز رضاء، غضب، کراہیت وسخط جیسی صفات کے متعلق بھی ان کا یہی نظریہ ہے کہ یہ مستقل صفات نہیں بلکہ اس کے ارادہ کے مختلف پہلو ہیں۔ اور معتزلہ چونکہ ارادہ کو ایسی صفت تسلیم نہیں کرتے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے، اس لئے یہ محبت کی تفسیر ثواب سے کرتے ہیں جو کہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر واجب ہے، کیونکہ ان کے مذہب کے مطابق مطیع وفرمانبردار کو ثواب دینا اور نافرمان کو سزا سے دوچار کرنا اللہ تعالیٰ ذریعہ واجب ہے۔

اہل حق کے نزدیک محبت اللہ تعالیٰ کی حقیقی صفت ہے جو اس کے شایان شان ہے جسے تسلیم کرنے سے اس کی شان میں نہ تو کسی قسم کا نقص لازم آتا ہے اور نہ تشبیہ، ساتھ ہی یہ لوگ اس محبت کے لازمی تقاضے کی بھی تصدیق کرتے ہیں اس کا لازمی تقاضا ہے اس کا اس شخص کے اکرام وثواب کا ارادہ کرنا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

نہیں معلوم کہ اس محبت کی نفی وانکار کرنیوالے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا کیا جواب دیں گے۔

''اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام سے کہتا ہے کہ میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو، آپ نے فرمایا پھر جبریل علیہ السلام اہل آسمان سے کہتے ہیں کہ تمہارا رب فلاں شخص سے محبت کرتا ہے تم سب بھی اس شخص سے محبت کرو، آپ نے فرمایا پھر اہل آسمان اس شخص سے محبت کرنے لگتے ہیں، یہاں تک کہ زمین میں بھی اس کی قبولیت وپذیرائی ڈال دی جاتی ہے، اور جب وہ کسی سے بغض ونفرت کرتا ہے تو ایسا ہی واقعہ ہوتا ہے''۔ (متفق علیہ)

پہلی آیت کریمہ ﴿واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین﴾ میں عمومی احسان کرنے کا حکم ہے یعنی ہر معاملے میں احسان کا رویہ اپنایا جائے بالخصوص ان نفقات کے اندر جس کا اسی آیت کی ابتداء میں حکم دیا گیا ہے:

﴿وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بأیدیکم الی التھلکۃ﴾ اوراللہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے راستے میں خرچ کرو اور خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ (البقرہ)

اور اس نفقہٗ مامور بہا میں احسان یا تو خرچ وعدم امساک کے ذریعے ہوسکتا ہے یا بخیلی واسراف کے درمیان کی راہ اختیار کرکے۔ اور یہ وہی اعتدالی کیفیت ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے سورۂ فرقان کے اندر دیا ہے۔

صحیح مسلم میں شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان فرض کردیا ہے، جب تم قتل کرو تو احسان کے ساتھ قتل کرو، اور جب ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو، اور چھری خوب تیز کرلینی چاہیئے اور ذبیحہ کو آرام پہونچانا چاہیئے۔''

آیت ﴿إن اللہ یحب المحسنین﴾ میں احسان اور بھلائی کرنے کے حکم کی وجہ بتائی جارہی ہے کہ جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ احسان اور بھلائی کا رویہ اپنانا اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کا سبب ہے تو اس حکم کے بجالانے میں پہل کرو اور آگے بڑھو۔

دوسری آیت کریمہ ﴿وأقسطوا﴾ میں اقساط کا حکم ہے اور اقساط کہتے ہیں عدل کو، آیت کا مقصود یہ ہے کہ مومنوں کی اگر دو جماعت لڑ پڑے تو ان کے مابین عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے۔ ''اقسطوا'' کا لفظ ''قسط'' سے مشتق ہے جس کا معنی ہے جور وظلم لیکن اسے باب افعال میں لاکر سلب مأخذ کیا گیا ہے یعنی اس لفظ کو باب افعال میں لانے سے معنی بالکل برعکس ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک ''المقسط'' بھی ہے یعنی ''عدل وانصاف والا''۔ آیت کریمہ میں عدل وانصاف کی فضیلت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے عملاً انجام دینے پر ابھارا گیا ہے۔ اور اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کا ذریعہ ہے۔

آگے آیت کریمہ ﴿فما استقاموا لکم فاستقیموا لھم﴾ کا معنی یہ ہے کہ تمہارے اور کسی دوسرے فریق کے مابین اگر کوئی عہد وپیمان ہوجائے جیسا کہ تم لوگوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے ان کے ساتھ مسجد حرام کے پاس عہد کیا ہے، تو تم ان کے ساتھ کئے ہوئے عہد پر اس وقت تک ثابت قدم اور باقی رہو جب تک کہ یہ لوگ تمہارے ساتھ کئے گئے عہد پر باقی رہیں۔ یہاں آیت میں ما مصدر یہ ظرفیہ ہے پھر اس حکم کی وجہ بھی بیان فرمائی، فرمایا:

﴿ان اللہ یحب المتقین﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو ہر معاملے میں اللہ سے ڈرتے ہیں اور انہیں میں سے ایک عہد و پیمان کو نہ توڑنا بھی ہے۔

آگے کی آیت کریمہ ﴿ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین﴾ میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ دو قسم کے اوصاف رکھنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے۔

پہلی قسم کے لوگ ہیں توابین یعنی وہ لوگ جو بکثرت توبہ کرتے اور افسوسناک امور کے سرزد ہو جانے کے وقت استغفار کر کے اللہ کی طرف کثرت سے رجوع کرتے ہیں، اس طرح وہ کثرت توبہ سے گناہ و معاصی جیسی تمام معنوی نجاستوں اور گندگیوں سے پاک وصاف ہو جاتے ہیں "تــــــواب" چونکہ مبالغہ کا صیغہ ہے اس لئے یہاں کثرت کا معنی مراد ہوگا۔

دوسری قسم کے لوگ ہیں متطھرین۔ یعنی جو پاکی اور صفائی میں مبالغے سے کام لیتے ہیں اور جو وضوء یا غسل کر کے حدث اور حسی نجاستوں سے نظافت و پاکی حاصل کرنے والے ہیں۔

متطھــرین کے مفہوم کے سلسلے میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنی عورتوں سے بحالت حیض یا ان کی دبر میں جماع کرنے سے اجتناب کرتے ہیں۔ لیکن پہلا عمومی مفہوم مراد لینا ہی زیادہ بہتر ہے۔

آیت کریمہ ﴿قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ﴾ کے سبب نزول کے سلسلے میں حسن سے ایک روایت منقول ہے کہ کچھ لوگوں نے دعویٰ کیا کہ وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جانچنے اور پرکھنے کے لئے یہ آیت نازل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرمائی۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کے حصول کے لئے اپنے رسولﷺ کی اتباع کو شرط قرار دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی محبت وہی شخص حاصل کرسکتا ہے جو اچھی طرح اتباع اور پیروی کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو مضبوطی سے تھام لے۔

آیت کریمہ ﴿وهو الغفور الودود﴾ میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنی میں سے اس کے دو اسماء کا ثبوت ملتا ہے ان میں سے ایک ہے "الغفور" اور دوسرا ہے "الودود" ان میں سے پہلا تو "الغفر" کا مبالغہ ہے، معنی ہے اپنے بندوں کی گناہوں کو بہت زیادہ چھپانے والا، اور ان کا مواخذہ کرنے کے بجائے بہت زیادہ درگزر کرنے والا۔غفر کا اصل معنی ستر ہے یعنی چھپانا۔جیسا کہ کہا جاتا ہے " الصبغ أغفر للوسخ" یعنی زنگ میل کچیل کو چھپادیتا ہے۔اور اسی طرح سر پوش یعنی خود کو مغفر کہا جاتا ہے۔

دوسرا اسم "الودود" لفظ "الود" سے مشتق ہے۔جس کے معنی سچی اور خالص محبت کے ہیں۔یہ اسم یا تو بروزن مفعول بمعنی فاعل کے قبیل سے ہے یا فعول بمعنی مفعول کے قبیل سے،پہلی صورت میں اسکا معنی ہوگا اپنے متبعین سے بہت زیادہ محبت کرنے والا اور ان کی نصرت و مدد کرنے میں ان کے قریب رہنے والا۔دوسری صورت میں اس کا معنی ہوگا اپنے اوپر لازم کردہ کثیر احسانات کے نتیجے میں سب سے زیادہ محبوب ،کیونکہ اس کی مخلوق اس سے محبت کرتی ہے اور اس محبت کے نتیجے میں اسکی عبادت بھی کرتی ہے اور اس کی حمد وثنا بھی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ کی رحمت

وقوله:

﴿بسم الله الرحمٰن الرحيم﴾

﴿ربنا وسعت كل شئ رحمة وعلماً﴾ (غافر: ۷)

﴿وكان بالمؤمنين رحيماً﴾

﴿ورحمتي وسعت كل شئ﴾ (الاعراف: ۱۵۶)

﴿كتب ربكم على نفسه الرحمة﴾ (الانعام: ۱۲)

﴿وهو الغفور الرحيم﴾

﴿فالله خير حافظاً وهو أرحم الراحمين﴾ (يوسف: ۶۴)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے دو اسم الرحمٰن اور الرحیم کے تذکرے کے ساتھ ساتھ اس کی دو صفات صفت رحمت اور صفت علم کا بھی ذکر ہے، بسم اللہ کی تفسیر کے ضمن میں ان دو اسموں کے تعلق سے گفتگو گزر چکی ہے نیز وہیں پر ان دونوں کے مابین فرق کو واضح کرتے ہوئے اس بات کی بھی صراحت کر دی گئی ہے کہ اسم اول یعنی الرحمٰن سے ذاتی صفات اور اسم ثانی یعنی الرحیم سے فعلی صفات کا پتہ چلتا ہے۔

اشاعرہ اور معتزلہ نے محض اس دعوے کی بنیاد پر صفت رحمت کا انکار کر دیا ہے کہ یہ مخلوق کو لاحق ہونے والی ایک کمزوری وضعف ہے، نیز یہ مرحوم کے حق میں رقت قلبی کے ساتھ درد کے احساس کا نام ہے۔لیکن ایسا خیال رکھنا نری جہالت اور کم علمی ہے کیونکہ قوی اور طاقتور لوگ ہی کمزوروں کے لئے رحمت کا معاملہ کرتے ہیں اس میں کسی قسم کی ضعف یا کمزوری تو لازم نہیں آتی بلکہ یہ رحمت تو انتہائی غلبے اور قدرت کے سبب ہوتی ہے، کیونکہ قوی انسان اپنی کمسن اولاد اور اپنے بزرگ والدین اور اپنے سے کمزور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ضعیف لوگوں پر رحم کرتا ہے۔ کہاں ضعف اور کمزوری جو کہ نہایت ہی قابل مذمت صفات ہیں، اور کہاں وہ صفت رحمت جس سے اللہ تعالیٰ نے خود کو متصف تو کیا ہی ہے ساتھ ہی اس صفت سے متصف اپنے اولیاء کی تعریف بھی کی ہے، اور لوگوں کو ایک دوسرے کو اس صفت کے اختیار کرنے کی تلقین کرنے کی ہدایت بھی دی ہے۔

"ربنا وسعت کل شیئ رحمۃً وعلما" اللہ کا کلام ہے جس میں حاملین عرش اور عرش کے آس پاس کے ان فرشتوں کی حکایت بیان ہوئی ہے جو کہ مومنوں کے لئے اللہ سے دعا کرتے ہیں اور اپنی اس دعا میں اس کی ربوبیت، اس کے علم کی وسعت اور اس کی رحمت کا وسیلہ اختیار کرتے ہیں، اور دعا کی قبولیت کی امید کے لئے اگر سب سے بہتر کوئی وسیلہ اور ذریعہ ہوسکتا ہے تو یہی ہے۔

آیت میں "رحمۃً وعلماً" تمیز کی بنیاد پر منصوب ہے اور یہ تمیز بھی فاعل کی تاویل میں ہے، جس کی تقدیر یہ ہے:

"وسعت رحمتک وعلمک علی کل شیئ".

اس کا معنی ہے "تیری رحمت اور تیرا علم ہر شئ کو گھیرے ہوئے ہے۔"

چنانچہ اس کی رحمت دنیا میں تو کافر اور نیک و بد سب کے لئے عام ہے لیکن قیامت کے روز صرف متقیوں کے لئے خاص ہوگی۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿فسأکتبھا للذین یتقون ویوتون الزکوٰۃ﴾ "ہم ان لوگوں کے لئے لکھ دیں گے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔" (الاعراف:۱۵۶)

اور ایک دوسری جگہ ہے:

"کتب ربکم علیٰ نفسہٖ الرحمۃ"

اس کا مطلب ہے کہ اس نے بطور فضل واحسان کے اسے اپنے اوپر خود ہی واجب کرلیا ہے، کسی اور نے اس پر واجب نہیں کیا ہے۔ (الانعام:۵۴)

بخاری ومسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"ان اللہ لما خلق الخلق کتب کتابا فھو عندہ فوق العرش ان رحمتی سبقت أو تسبق غضبی".

یعنی اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کی تخلیق فرمائی تو ایک کتاب لکھی، چنانچہ وہ کتاب اسی کے پاس عرش کے اوپر ہے جس میں لکھا ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔

آگے کی آیت ﴿فاللہ خیر حافظاً وھو أرحم الراحمین﴾ میں حافظ "حفظ" سے مشتق ہے، اسی کے ہم معنی ایک اسم حفیظ بھی ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کی ہر طریقے سے حفاظت کرتا ہے، چنانچہ ان کی غذائی اشیاء کی فراوانی کا سامان کرتا ہے انہیں ہلاکت ونقصان کے اسباب سے بچاتا ہے اسی طرح ان کے اعمال کی حفاظت کرتا ہے اوران کے اقوال کو بھی شمار کرتا ہے اورخاص طور سے اپنے قریبی بندوں کی تو خصوصی رعایت کرتا ہے چنانچہ وہ انہیں گناہ ومعاصی میں ملوث ہونے سے بچاتا ہے اورساتھ ہی ساتھ شیطان کے مکروفریب نیز دین اوردنیا دونوں کے لئے باعث ضرر ہر قسم کی باتوں سے انہیں محفوظ رکھتا ہے۔

حافظاً: خیر اسم تفضیل کی تمیز ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صفت رضا وغضب

قوله:

﴿رضى الله عنهم ورضوا عنه﴾

﴿ومن يقتل مؤمنا متعمدا فجزاء ه جهنم خالداً فيها وغضب الله عليه ولعنه﴾ (النساء : ۹۳)

وقوله: ﴿ذلك بأنهم اتبعوا ماأسخط الله وكرهو رضوانه﴾ (محمد:۲۸)

﴿فلما آسفونا انتقمنا منهم﴾ (الزخرف :۵۵)

وقوله: ﴿ولكن كره الله انبعاثهم فثبطهم﴾ (التوبة : ۴۶)

وقوله: ﴿كبر مقتاً عندالله أن تقولوا مالا تفعلون﴾ (الصف : ۳)

ان آیات سے اللہ تعالیٰ کی چند فعلی صفات مثلاً:

رضا، غضب، لعن وکراہیت، سخط وناپسندیدگی اور اُسف کا اثبات ہورہا ہے۔

اہل حق کے نزدیک یہ تمام تر صفتیں اس کی حقیقی صفات ہیں جو اس کے شایان شان ہیں، ان میں سے کوئی بھی صفت مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں ہے۔ اوران تمام صفات کے تسلیم کرنے سے اس کی ذات کے اندر وہ تمام چیزیں لازم نہیں آتیں جو مخلوقات کے لئے لازم ہیں، معتزلہ اوراشاعرہ کے پاس ان صفات کا انکار کرنے کے لئے بجز اس گمان اور خیال کے کوئی پختہ دلیل نہیں کہ ان صفات سے اللہ تعالیٰ کو متصف قرار دینے کی صورت میں اس کی ذات کے اندر وہ چیزیں صادق آتی ہیں جو مخلوقات کے اندر ہیں۔ اپنے رب کے بارے میں ان کے اس خیال نے انہیں ہلاک وبرباد کرکے ان کو نفی اور تعطیل کے گڈھے میں لا گرایا ہے۔ اشاعرہ تو ان صفات کو حقیقی صفت تسلیم نہ کرکے صفت ارادہ کے مختلف پہلو تصور کرتے ہیں چنانچہ ان کے نزدیک رضا وخوشنودی سے ثواب کا ارادہ اور غضب وسخط وغیرہ سے عقاب کا ارادہ مراد ہے، اور معتزلی حضرات

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو ان سے ایک قدم اور آگے ہیں یہ لوگ ان صفات سے مطلق ثواب وعقاب مراد لیتے ہیں۔

آیت کریمہ ﴿رضی اللہ عنهم ورضوا عنه﴾ میں اللہ اور اس کے بندوں کے مابین رضا ومحبت کے ہونے والے تبادلے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جہاں تک اللہ کی رضامندی کی بات ہے تو یہ بندوں کیلئے ان کو عطا کی گئی تمام نعمتوں سے بڑھ کر اور عظیم تر ہے جیسا کہ قرآن میں ہے ﴿ورضوان من الله اکبر﴾ ''اور اللہ کی جانب سے حاصل شدہ رضامندی ہی سب سے بڑی شئ ہے'' اور جہاں تک اللہ تعالیٰ سے ان کی رضامندی کا تعلق ہے تو وہ ہے ان میں سے ہر ایک کا اپنے مقام ومرتبے سے راضی ہو جانا اور اپنے اس مرتبے اور پوزیشن سے اس طرح شاداں اور فرحاں ہو جانا گویا کہ اس سے بڑھ کر کسی کو نعمت ہی حاصل نہیں ہوئی۔ اور یہ کیفیت جنت میں حاصل ہوگی۔

آیت ﴿ومن یقتل مؤمناً متعمداً﴾ میں اللہ تعالیٰ نے ''مؤمناً'' اور متعمداً کہہ کر اس بات کا اشارہ کیا ہے کہ مذکورہ سزا اس شخص کے لئے ہے جو جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کرے۔ (ایک شخص کو معصوم وبے گناہ سمجھتے ہوئے بھی ایسی چیز سے قتل کر دیا جائے جس سے عمومی طور پر موت واقع ہو جاتی ہو) اس سے قتل کافر اور قتل خطاء کا استثناء ہو جاتا ہے۔

﴿خالداً فیها﴾ کا معنی ہے ''دوامی حیثیت سے قیام کرے گا''۔ خلود کا ایک معنی مکث طویل بھی بتایا گیا ہے۔ لعن کا مطلب ہے اللہ کی رحمت سے دوری یا برطرفی۔ لعین یا ملعون اس شخص کو کہا جاتا ہے جس پر لعنت متحقق ہو چکی ہو، یا وہ شخص پر لعنت کی گئی ہو۔

ان جیسی آیات سے یہ اشکال پیش آتا ہے کہ قاتل عمد کے لئے توبہ نہیں وہ مخلد فی النار ہے۔ جب کہ یہ موقف اس آیت کا معارض ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''ان اللہ لایغفر أن یشرک به ویغفر مادون ذٰلک لمن یشاء''

اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور گناہ جس کو چاہے معاف کر دے۔ (النساء:۴۸)

علماء نے اس اشکال کے متعدد جواب دیئے ہیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

۱..... یہ اس شخص کی سزا ہے جو عمداً قتل مومن کو حلال سمجھتا ہو۔

۲..... عمداً کسی مومن کے قاتل کی سزا تو یہی ہے، اگر اس کو بدلہ دیا جاتا لیکن اس بات کا بھی امکان ہے کہ اسے یہ سزا نہ ملے اس طرح کہ وہ توبہ کر لے یا کوئی ایسا نیک عمل کر لے جو اس کے برے عمل پر حاوی ہو جائے۔

۳.....بطور زجر اور توبیخ کے ایسا حکم وارد ہوا ہے۔

۴.....خلود فی النار سے مراد مکث طویل ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ایک گروہ کا موقف یہ ہے کہ عمداً قتل کرنے والے کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ تو اس سلسلے میں یہاں تک فرما دیا کہ باعتبار نزول یہ آخری آیت ہے جو منسوخ نہیں ہے۔

اس سلسلے میں اقرب الی الصواب نقطۂ نظر یہ ہے کہ قاتل پر تین قسم کے حقوق واجب ہوتے ہیں:

(۱) ایک حق اللہ کا (۲) دوسرا مقتول کے ورثاء کا (۳) تیسرا حق مقتول کا

چنانچہ ان میں سے اللہ کا حق توبہ کے ذریعے ساقط ہو جاتا ہے۔ اور ورثاء کا حق دنیا میں ادا کر کے یا معافی کے ذریعے ساقط ہو جاتا ہے لیکن مقتول کا حق ساقط نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ اپنے قاتل کے ساتھ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا سر قاتل کے ہاتھ میں ہوگا اور کہے گا "اے رب! اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا؟"

آگے کی آیت ﴿فلما آسفونا انتقمنا منهم﴾ میں لفظ "أسف" شدت حزن اور شدت غصب وسخط کے معنی میں مستعمل ہے۔ اور آیت میں بھی یہی معنی مراد ہے۔ انتقام کا مطلب ہے سزا کے ذریعے بدلہ دینا۔ یہ لفظ "نقمةٌ" سے مشتق ہے۔ شدید درجے کی کراہت اور ناراضگی و ناگواری کو نقمت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صفت مجیء کا اثبات اور منکرین کا رد

وقولہ: ﴿هل ينظرون الا أن يأتيهم الله في ظلل من الغمام والملائكة وقضى الأمر﴾ (البقرة : ۲۱۰)

﴿ هل ينظرون الا أن تأتيهم الملائكة أو يأتي ربك أو يأتي بعض آيات ربك ﴾ (الانعام : ۱۵۸)

﴿كلا اذا دكت الأرض دكاً دكاً وجاء ربك والملك صفاً صفاً ﴾ (الفجر : ۲۱)

﴿يوم تشقق السماء بالغمام ونزل الملائكة تنزيلاً﴾ (الفرقان: ۲۵)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی دو فعلی صفات الاتیان والمجیٔ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اس سلسلے میں اہل سنت کا جو موقف ہے وہ یہی ہے کہ ان دونوں صفات کی حقیقت پر کماحقہٗ ایمان رکھا جائے اور اس کی ہر قسم کی تاویل سے دوری اختیار کی جائے جو کہ درحقیقت الحاد اور تعطیل ہے۔

یہاں پر عصر حاضر میں تجہم و تعطیل کے علمبردار زاہد الکوثری کی تحریر قاری کے سامنے پیش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، وہ بیہقی کی کتاب ''الاسماء والصفات'' کے حاشیے میں لکھتا ہے:

''اس کے معنی کے سلسلے میں امام زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان بادل کے سائبانوں میں عذاب لائے گا جن سے صرف رحمت کی امید کی جاتی ہے چنانچہ عذاب کا وہاں سے آنا جہاں سے رحمت کی امید کی جاتی ہو حد درجہ ہولناک اور وحشت ناک ہوگا'' ....

امام الحرمین بآ کے سلسلے میں یہی موقف رکھتے ہیں، البتہ الفخر الرازی کہتے ہیں:

أن ياتهم الله کا مطلب ہے أن يأتيهم أمر الله . . . .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس شخص کے اس اقتباس سے جسے اس نے اپنے اسلاف سے نقل کیا ہے تاویل وتعطیل کرنے میں ان کا انتہائی درجے کا تذبذب واضطراب بخوبی واضح ہوجاتا ہے۔ جب کہ اس باب میں آیات بہت ہی واضح ہیں جوان تاویلات کوقبول نہیں کرتیں۔ چنانچہ پہلی آیت میں اپنے کفر وعناد پر اٹل رہنے والوں اور شیطان کی پیروی کرنے والوں کو یہ دھمکی دی جارہی ہے کہ وہ لوگ اس بات کا انتظار کررہے ہیں کہ اللہ ان کے مابین فیصلہ کرنے کے لئے بادلوں کے سائبان میں ان کے پاس آئے اور ایسا تو قیامت کے دن ہی ہوسکتا ہے۔ اسی لئے اس کے بعد "وقضی الأمر" کہا۔ یعنی معاملے کا فیصلہ کردیا جائے۔

دوسری آیت میں اس سے زیادہ صراحت ہے، اس آیت میں اتیان یعنی اللہ تعالیٰ کے آمد کی تاویل اتیان اُمر یا اتیان عذاب سے ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ اس آیت میں اللہ کی آمد کے ساتھ ساتھ اس کے فرشتوں اور اس کی نشانیوں کی آمد کا بھی تذکرہ ہے۔

اور اس کے بعد والی آیت ﴿وجاء ربک والملک صفاً صفاً﴾ کو بھی عذاب پر محمول کرنا ممکن ہی نہیں کیونکہ یہاں قیامت کے دن بغرض حساب وکتاب اس کی آمد مراد ہے۔ اور ملائکہ وہاں پر اس کی تعظیم اور جلالت شان کے لئے صف بستہ ہوں گے، اور اس وقت اس کی آمد کے وقت آسمان بدلی کے ساتھ پھٹ جائے گا جیسا کہ آخری آیت صراحت کررہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے صفت مجیٔ واتیان بھی ثابت ہے نیز وہ نازل بھی ہوتا ہے اور قریب بھی۔ اس حال میں کہ وہ اپنے عرش کے اوپر تمام مخلوق سے جدا اور الگ ہے۔ یہ تمام افعال اللہ تعالیٰ کے لئے حقیقی طور پر ثابت ہیں اس سلسلے میں مجازی معنی کا دعوی کرنا اس کے افعال میں تعطیل کے مترادف ہے۔ اور اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ اللہ رب العزت کی آمد مخلوق کی آمد کے مثل ہے سراسر تعطیل اور انکار ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اثبات صفت وجہ اور منکرین کا رد

وقولہ:

﴿ ویبقیٰ وجه ربک ذوالجلال والاکرام ﴾ (الرحمٰن : ۲۷)

﴿ کل شیٔ ھالک الا وجھه ﴾ (القصص : ۸۸)

یہ دونوں آیات اللہ تعالیٰ کے لئے صفت وجہ کے اثبات پر مشتمل ہیں اور اس کے لئے صفت وجہ کے اثبات کے سلسلے میں کتاب وسنت میں بے شمار نصوص وارد ہوئے ہیں۔ اور یہ تمام نصوص ''معطلہ'' کے تاویلات کی نفی کرتے ہیں جو کہ ''وجہ'' سے جہت ،ثواب یا ذات مراد لیتے ہیں، اس سلسلے میں اہل حق کا یہ موقف ہے کہ ''وجہ'' اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے جو اس کی ذات کے علاوہ ہے اس کے لئے صفت وجہ تسلیم کرنے سے اس کا اعضاء سے مرکب ہونا ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ مجسمہ سمجھتے ہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ایک صفت ہے جو نہ کسی اور کے چہرے کے مماثل ہے اور نہ کوئی چہرہ ہی اس کے مشابہہ ہے۔

''معطلہ'' ان دونوں آیتوں سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اس میں ''وجہ'' سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے کیونکہ بقا وعدم ہلاکت میں وجہ یعنی چہرے کو کوئی خصوصیت حاصل نہیں۔ لیکن ہم اس استدلال کے خلاف ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے لئے حقیقی وجہ ثابت نہ ہوتا تو ذات کے معنی میں بھی اس لفظ کا استعمال درست نہ ہوتا کیونکہ کسی مفہوم کے لئے وضع شدہ لفظ اس وقت تک کسی دوسرے معنی میں استعمال نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کا حقیقی معنی ثابت نہ ہو جب حقیقی معنی میں استعمال ثابت ہوگا تب کسی قرینے کے سبب دوسرے مجازی معنی کی طرف ذہن منتقل ہوسکتا ہے۔

ان کے مجازی معنی کا رد ایک دوسرے طریقے سے بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بقا کو اپنے وجہ یعنی چہرے کی طرف منسوب کر کے اپنی پوری ذات کو شامل کرلیا ہے۔ اس لئے یہ کہنا درست نہیں کہ آیت میں چہرہ بول کر ذات مراد لی گئی ہے۔ بیہقی نے خطابی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وجہ کی اضافت اپنی ذات کی طرف کرتے ہوئے وجہ کی صفت بیان کی اور فرمایا ﴿ويبقى وجه ربك ذو الجلال والاكرام﴾ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وجہ سے مراد ذات نہیں "ذو الجلال" وجہ کی صفت ہے اور وجہ ذات باری تعالیٰ کی صفت۔

"حدیث طائف" میں مذکور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی تفسیر وتاویل ذات وغیرہ سے کیسے کی جاسکتی ہے:

"أعوذ بنور وجهك الذي اشرقت له الظلمات. . ." یعنی تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ میں آتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہوتی ہیں۔ .....

نیز ابوموسیٰ الأشعری کی روایت کردہ حدیث میں آپ کے اس قول میں:

"حجابه النور أو النار لو كشفه لأحرقت سبحا ت وجهه ما انتهى اليه بصره من خلقه"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اثبات صفت ید

وقوله:

﴿مامنعک أن تسجد لما خلقت بیدی﴾ (ص : ۷۵)

﴿وقالت الیهود یدالله مغلولة غلت أیدیهم ولعنوا بما قالوا. بل یداه مبسوطتان ینفق کیف یشاء﴾ (المائدة : ۶۴)

یہ دونوں آیتیں اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی شان کے مطابق اس کی ایک حقیقی صفت ''یدین'' یعنی دونوں ہاتھوں کے اثبات پر مشتمل ہے، پہلی آیت میں اللہ رب العزت اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کے سبب ابلیس کی توبیخ کر رہا ہے۔ یہاں پر ''ید'' کو قدرت پر محمول کرنا ممکن ہی نہیں کیونکہ تمام اشیاء یہاں تک کہ ابلیس کو بھی اس نے اپنی قدرت سے ہی پیدا کیا ہے اس صورت میں آدم علیہ السلام کی کوئی خصوصیت ہی باقی نہیں رہ جاتی جس کے سبب وہ تمام مخلوق سے ممتاز ہوسکیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اللہ نے تین اشیاء کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا۔

(۱) آدم کی تخلیق اپنے ہاتھ سے کی۔ (۲) توریت اپنے ہاتھ سے لکھی۔
(۳) جنت عدن کو اپنے ہاتھوں سے لگایا۔

تمام مخلوقات کا وجود اللہ رب العزت کی قدرت کاملہ کا مظہر تو ہے ہی لیکن ان تین اشیاء کو اس حیثیت سے ذکر کرنا کہ اللہ نے اسے اپنے ہاتھوں پیدا کیا ایک خاص اور زائد معنی کی وضاحت کرتا ہے۔ ایک اور بات یہ کہ ''یدین'' کا لفظ بصیغۂ تثنیہ ید حقیقی کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لئے ہی معروف و مشہور ہے قدرت یا نعمت کے معنی میں مستعمل نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ یہ نہیں کہا جا سکتا "خلقه الله بقدرتين أو بنعمتين" کہ اللہ نے اسے دو قدرتوں یا دو نعمتوں سے پیدا کیا۔ البتہ "يدين" کے لفظ کا اطلاق قدرت نعمت یا اس کے علاوہ کسی اور معنی پر اسی کے لئے ممکن اور درست ہو سکتا ہے جو "يدين" کی صفت سے حقیقی طور پر متصف ہو، اسی لئے "پانی" یا "ہوا" کے لئے ید یعنی ہاتھ ثابت نہیں کیا جاتا۔

مجازی معنی ثابت کرنے کے سلسلے میں رہی معتزلہ کی یہ دلیل کہ بعض آیات میں ید کا لفظ واحد تو بعض میں جمع بھی مستعمل ہے تو یہ کوئی قوی دلیل نہیں ہے کیونکہ کبھی کبھی دو کے لئے موضوع لفظ بول کر ایک مراد لیا جاتا ہے جیسے: "رأيت بعينيَّ وسمعت بأذنيَّ" کہ میں نے اپنی دو آنکھوں سے دیکھا اور دو کان سے سنا۔ اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا اور کان سے سنا۔ اسی طرح جمع کا صیغہ بول کر کبھی کبھی تثنیہ بھی مراد لیا جاتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿ان تتوبا الى الله فقد صغت قلوبكما﴾

"اگر تم دونوں اللہ کے سامنے توبہ کرلوگی (تو بہتر ہوگا) اس لئے کہ تمہارے دل (حق سے) مائل ہو گئے ہیں"۔ (التحریم:۴)

یہاں مراد ہے "قلباكما"......

اللہ رب العزت کے لئے کف (ہتھیلی) أصابع (انگلیاں) یمین (دایاں) شمال (بایاں) قبض (پکڑنا) بسط (پھیلانا) وغیرہ جیسی صفات ثابت ہیں جن کا اطلاق صرف اور صرف حقیقی ہاتھ پر ہی ہوسکتا ہے اس کے ہوتے ہوئے "يد" کو نعمت یا قدرت کے معنی میں کیسے لیا جا سکتا ہے؟۔

دوسری آیت میں اللہ رب العزت نے یہود کی اپنے رب کے سلسلے میں کی جانے والی گفتگو کو نقل کیا ہے انہوں نے اس کی توصیف یوں بیان کی "يد الله مغلولة" یعنی اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے یعنی خرچ کرنے سے رُکا ہوا ہے۔ پھر ان کے قول کے معاً بعد اس کے بر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلاف اپنی صفت ثابت کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کے دونوں ہاتھ عنایت ونوازش کے لئے کھلے ہوئے ہیں جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ یہی بات حدیث میں بھی مذکور ہے:

”ان یمین اللہ ملأی سحاء اللیل والنہار لا تغیضھا نفقة“ (متفق علیہ)

”اللہ کا داہنا ہاتھ بھرا ہوا ہے دن ورات مسلسل نوازش فرمانے کے باوجود بھی اس میں کوئی کمی نہیں آتی“

قابل غور بات ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حقیقی طور پر دو ہاتھ نہ ہوتے تو کیا ”بسط الیدین“ کی یہ تعبیر درست ہو سکتی تھی۔؟

صحیح بات یہ ہے کہ ان تمام دلائل کے سبب تاویل کرنے والوں کے پاس کوئی جواب ہی نہیں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اثبات صفت عین

وقوله:

﴿فاصبر لحکم ربک فانک بأعیننا﴾ (الطور: ۴۸)

﴿وحملناه علی ذات ألواح ودسر. تجری بأعیننا جزاء لمن کان کفر﴾ (القمر: ۱۳، ۱۴)

﴿وألقیت علیک محبة منی ولتصنع علی عینی﴾ (طه: ۳۹)

ان تینوں آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے ایسی آنکھ ثابت کیا ہے جس کے ذریعے وہ تمام مرئیات کو دیکھتا ہے اور یہ اس کی حقیقی صفت ہے جو اس کے شایان شان ہے اس صفت کے ثابت کرنے اور اسے تسلیم کرنے سے اس کی ذات کے لئے گوشت پوست سے مرکب انسانی اعضاء لازم نہیں آتے۔

معطلہ کی یہ تفسیر کہ عین سے مراد رویت، حفاظت یا رعایت ونگہداشت ہے، صفات کا سراسر انکار اور تعطیل ہے۔ اب رہی یہ بات کہ بعض نصوص میں لفظ عین واحد تو بعض میں جمع بھی مستعمل ہے تو اس میں اس صفت کی نفی کی ان کے لئے کوئی دلیل ہی نہیں ہے۔ کیونکہ لغت عرب میں اس کی گنجائش موجود ہے کہ جمع بول کر تثنیہ یا تثنیہ بول کر واحد مراد لیا جائے۔ اسکی صراحت "الیدین" کی بحث میں گزر چکی ہے۔

لفظ عین کو ان کے بیان کردہ معنوں میں سے کسی معنی میں استعمال کرنا ممکن ہی نہیں ہے ہاں اگر ممکن ہوسکتا ہے تو صرف اس کے حق میں جو صفت عین سے حقیقی طور پر متصف ہو، تو کیا معطلہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسی صفت پر فخر کر رہا ہے جو اس کے اندر ہے ہی نہیں چنانچہ اپنے لئے آنکھ تو ثابت کرتا ہے مگر اس سے محروم ہے، کیا وہ لوگ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت کسی خاص صفت یا خاص ذریعہ سے نہیں ہے بلکہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمام اشیاء کو اپنی ذات ہی سے دیکھتا ہے جیسا کہ معتزلی حضرات کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات ہی سے قادر ہے اور اپنی ذات ہی سے ارادہ کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

پہلی آیت کریمہ ﴿فاصبر لحكم ربك فانك بأعيننا﴾ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حکم اور قوم کی جانب سے پہونچنے والی اذیتوں پر صبر کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بتلائی کہ وہ اس کی آنکھوں کے سامنے اور اس کے حفظ واماں میں ہیں۔

دوسری آیت ﴿وحملناه على ذات الواح ودسر. تجرى بأعيننا جزاءً لمن كان كفر﴾ میں اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام کے بارے میں خبر دے رہا ہے کہ جب ان کی قوم نے انہیں جھٹلا دیا اور اللہ تعالیٰ نے بطور عذاب ان لوگوں کو طوفان میں مبتلا کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان پر ایمان لانے والوں کو میخ اور لکڑی کے تختوں سے بنی کشتی پر سوار کر دیا۔ اور یہ کشتی اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں اس کی آنکھوں کے سامنے تیر رہی تھی۔

تیسری آیت میں اللہ کی جانب سے موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کیا گیا ہے۔ اور اس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ نے اپنی جانب سے ان پر اپنی محبت ڈال دی۔ مطلب یہ ہے کہ اس نے انہیں اپنا محبوب بنالیا اور اپنی آنکھوں کے سامنے ان کی ایسی پرورش و پرداخت کی کہ جس کے سبب موسیٰ فرعون اور اس کی قوم کی جانب رسالت کے فرائض انجام دینے کے قابل ہو گئے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اثبات صفت سمع وبصر

وقوله: ﴿ قدسمع الله قول التی تجادلک فی زوجها وتشتکی الی الله والله یسمع تحاورکما ان الله سمیع بصیر ﴾ (المجادلة : ۱)

وقوله: ﴿ لقد سمع الله قول الذین قالوا ان الله فقیر ونحن أغنیاء ﴾ (آل عمران : ۱۸۱)

وقوله: ﴿ أم یحسبون انا لانسمع سرهم ونجواهم بلیٰ ورسلنا لدیهم یکتبون ﴾ (الزخرف : ۸۰)

﴿انني معکما أسمع وأریٰ﴾ (طٰه :)

﴿ألم یعلم بأن الله یریٰ﴾ (العلق : ۱۴)

﴿الذی یراک حین تقوم . وتقلبک فی الساجدین. انه هو السمیع البصیر﴾ (الشعراء : ۲۱۹. ۲۲۰)

﴿وقل اعملوا فسیری الله عملکم ورسوله والمؤمنون﴾ (التوبة : ۱۰۵)

یہ تمام آیات مؤلفؒ نے صفات سمع وبصر اوررویت کے اثبات کے ضمن میں ذکر کی ہیں، آیتوں میں صفت سمع کا تذکرہ اس کے تمام مشتقات مثلاً سَمِعَ یَسْمَعُ نَسْمَعُ اور أَسْمَعُ وغیرہ کے ساتھ ملتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی صفت ہے جس کے ذریعے تمام أصوات کا ادراک کرتا ہے۔ اسی طرح بصر اللہ تعالیٰ کی ایسی صفت ہے جس سے تمام اشخاص والوان کا ادراک کرتا ہے اوررویت اس کی صفت لازمہ ہے۔ ابوموسیٰ اشعری کی حدیث میں ہے: ''اے لوگو! ہوشیار رہو، تم کسی بہرے یا غائب کونہیں پکار رہے بلکہ بہت زیادہ سننے اورخوب دیکھنے والے کو پکار رہے ہو، جس ذات کوتم پکار رہے ہو، وہ تم سے تمہاری سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سمع و بصر یعنی سننا اور دیکھنا کمالی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی مذمت کی ہے اور یہ اس لئے کہ وہ ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جس میں نہ سننے کی صلاحیت ہے اور نہ دیکھنے کی۔

پہلی آیت خولہ بنت ثعلبہ کے بارے میں نازل ہوئی، جب ان کے شوہر نے ان سے ظہار کر لیا تو وہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلے میں گفتگو کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں یہی سمجھتا ہوں کہ تم ان پر حرام ہو چکی ہو۔''

صحیح بخاری میں عروہ سے ایک روایت منقول ہے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

''تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس کی سماعت تمام اصوات کا ادراک کر لیتی ہے۔ جھگڑنے والی عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر آئی تو میں اس وقت گھر کے ایک گوشے میں تھی اور عورت کی گفتگو نہیں سن پا رہی تھی۔ اور پھر اللہ نے یہ آیت نازل فرما دی۔''

دوسری آیت نحاص یہودی کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب ابوبکر رضی اللہ نے اسے اسلام کی طرف بلایا تو اس نے کہا تھا:

''واللہ اے ابوبکر! ہمیں اللہ کی کوئی حاجت نہیں ہے کیونکہ وہ تو خود ہمارا محتاج ہے اگر وہ غنی ہوتا تو ہم سے قرض نہیں مانگتا۔''

تیسری آیت ﴿أم یحسبون انا لانسمع سرھم ونجواھم بلیٰ ورسلنا لدیھم یکتبون﴾ میں ''أم'' ''بل'' اور ''ہمزۂ استفہامیہ کے معنی میں ہے۔ أم منقطعہ ہے اور استفہام انکاری توبیخ کے لئے ہے۔

آیت کا معنی یہ ہے کہ ''بلکہ کیا یہ لوگ اپنی مخفی اور راز کی باتوں کے سلسلے میں یہ خیال کر بیٹھے ہیں کہ ہم ان کے بھید اور سرگوشیوں کو سن نہیں رہے ہیں، کیوں نہیں ہم تو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہیں بخوبی سنتے ہیں اوران کے پاس ہمارے ایسے نگہبان ہیں جو ان کی کہی ہوئی باتوں اوران کے افعال کولکھ لیتے ہیں۔''

چوتھی آیت کریمہ میں اللہ کی جانب سے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کوخطاب کیا گیا ہے۔ جب کہ ان دونوں نے فرعون کی گرفت کے خوف کی شکایت کی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں سے فرمایا:

''تم دونوں ڈرومت، میں تمہارے ساتھ دیکھ اورسن رہا ہوں''

پانچویں آیت ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی جس وقت اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ میں نماز پڑھنے سے روک دیا تھا۔ تو یہ آیتیں نازل ہوئیں:

أرأيت الذی ينهىٰ☆عبداً اذا صلى☆ أرأيت ان كان على الهدى☆ أو أمر بالتقوىٰ☆أرأيت ان كذب وتولىٰ☆ ألم يعلم بأن الله يرىٰ☆

''کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جو روکتا ہے ،ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے،تمہارا کیا خیال ہے اگر وہ (بندہ) سیدھی راہ پر ہے، یا اگر چہ وہ اللہ سے ڈرنے کا حکم دیتا ہے۔تمہارا کیا خیال ہے اگر چہ وہ (روکنے والا) جھٹلاتا ہے اوردین اسلام سے منہ موڑتا ہے۔کیا اسے معلوم نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔

(العلق:۹۔۱۴)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ کی طرف مکر وکید کی نسبت

وقولہ: ﴿وھو شدید المحال﴾ (الرعد : ۱۳)

وقولہ: ﴿ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین﴾ (آل عمران: ۵۴)

وقولہ: ﴿ومکروا مکراً ومکرنا مکراً وھم لایشعرون﴾ (النمل : ۵۰)

وقولہ: ﴿انھم یکیدون کیداً وأکید کیداً﴾ (الأعلیٰ : ۱۵)

ان آیات سے اللہ تعالیٰ کی دوصفتوں کا اثبات ہوتا ہے وہ ہیں مکر اور کید۔[1] یہ دونوں اختیاری صفات ہیں جن کا تعلق فعل سے ہے لیکن ان دونوں صفات سے اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی اسم مشتق کر کے ماکر وکائد نہیں کہا جا سکتا بلکہ نصوص میں جہاں کہیں اس بات کا ذکر ہے کہ وہ سب سے بہتر مکر کرنیوالا ہے اور وہ اپنے کافر دشمنوں کے ساتھ سازش وتدبیر کرتا ہے تو ان نصوص پر توقف کیا جائے گا۔

''شدید المحال'' کا مطلب ہے سزا دینے کے وقت سخت مؤاخذہ کرنے والا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے ﴿ان بطش ربک لشدید﴾ ''بے شک تیرے رب کی گرفت بڑی سخت ہے''۔ (البروج:۱۲)

ایک اور جگہ ہے: ﴿ان أخذہ ألیم شدید﴾ ''اس کی گرفت بڑی ہی دردناک ہے۔'' (ھود:۱۰۲)

ابن عباس کے نزدیک ''شدید المحال'' کا معنیٰ ہے ''شدید الحول'' اور مجاھد کے نزدیک اس کا معنیٰ ہے ''شدید القوۃ'' دونوں کا مفہوم قریب قریب ایک ہی ہے۔

---

[1] محشی کتاب شیخ اسماعیل انصاری حاشیہ میں رقم فرماتے ہیں، امام ابن القیم اپنی کتاب ''الصواعق'' میں لکھتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے مکر، کید، استھزاء اور خداع جیسی صفات اپنی ذات کیلئے مطلق طور پر استعمال نہیں فرمایا ہے بلکہ اس قسم کے افعال کے مرتکبین کی جزاء کے طور پر استعمال کیا ہے اور یہ اپنی جگہ پر مستحسن ہے، لہٰذا ان افعال مشتق اسماء کا استعمال مطلق طور پر اللہ کیلئے کرنا درست نہیں، اس لئے کہ یہ بعض موقعوں پر قابل مدح ہیں تو بعض موقعوں پر مذموم۔ (ترمذی)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آیت ﴿واللہ خیرا لماکرین﴾ کا مطلب ہے اللہ کا مکر ان کے مقابلے میں سب سے زیادہ تیزی کے ساتھ نافذ ہونے والا اور پہل کرنے والا ہے۔"

بعض سلف نے لوگوں کے ساتھ اللہ کے مکر کرنے کی تفسیر یوں بیان کی ہے کہ وہ انہیں ناز ونعمت میں ڈال کر اس طرح تدریجی مہلت دیتا ہے کہ انہیں خبر تک نہیں ہوتی۔ لوگ جب بھی کسی نئے گناہ کی شروعات کرتے ہیں تو وہ ان کے لئے ایک نئی نعمت ظاہر کر دیتا ہے۔ حدیث میں ہے:

"تم جب یہ دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو جو کہ معصیت پر مصر اور اڑا ہوا ہو اس کی محبوب اشیاء سے نوازتا ہی جا رہا ہے تو سمجھ لو کہ یہ اللہ کی جانب سے ڈھیل اور تدریجی مہلت ہے۔"

یہ آیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہودیوں نے جب آپؑ کے قتل کا ارادہ کر لیا تو آپ ایک ایسے گھر میں داخل ہو گئے جس میں روشندان تھا اور اللہ تعالیٰ نے جبریل کے ذریعے آپ کی اس طرح مدد فرمائی کہ آپ کو روشندان کے راستے آسمان پر اٹھا لیا۔ یہودا نامی ایک شخص آپ کو ڈھونڈنے کے لئے اس گھر میں داخل ہو گیا، اللہ نے وہیں اسے عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا، چنانچہ جب وہ شخص لوگوں کو عیسیٰؑ کی غیر موجودگی کی اطلاع دینے باہر نکلا تو لوگوں نے اسے عیسیٰ سمجھ کر قتل کر دیا۔ آیت میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے:

"لوگ خفیہ چال چلے تو اللہ نے بھی خفیہ چال چلی"۔

تیسری آیت میں قوم صالح کے اس واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے نو افراد نے اس بات پر اللہ کی قسم کھائی کہ رات کے وقت صالح علیہ السلام اور ان کے اہل پر حملہ کر کے قتل کر دیں گے۔ اور پھر ان کے متعلقین سے یہ کہہ دیں گے کہ ان کی ہلاکت کے وقت ہم موجود نہ تھے۔ اس خفیہ چال کا انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ایک تدبیر کر کے ان سب کو ہلاک کر دیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صفت عفو، قدرت، مغفرت، رحمت، عزت کا اثبات

وقولہ: ﴿ان تبدوا خیرا أوتخفوہ أوتعفوا عن سوء فان اللہ کان عفواً قدیراً. ولیعفوا ولیصفحوا ألا تحبون أن یغفر اللہ لکم . واللہ غفور رحیم﴾

وقولہ: ﴿ وللہ العزة ولرسولہ وللمؤمنین﴾

وقولہ عن ابلیس: ﴿ فبعزتک لأغوینھم أجمعین﴾

وقولہ: ﴿ تبارک اسم ربک ذوالجلال والاکرام﴾

ان آیات سے اللہ تعالیٰ کی چند صفات مثلاً عفو، قدرت، مغفرت، رحمت، عزت، تبارُک (باعث برکت ہونا) اور جلال واکرام کا اثبات ہوتا ہے۔

العفو اس کا اسم ہے اس کا معنیٰ ہے اپنے بندوں کی سزا سے درگزر کرنے والا، جب لوگ اس کی طرف متوجہ اور یکسو ہو کر توبہ کرتے ہیں تو وہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اور گناہوں سے درگزر کرتا ہے۔

اس آیت یا اس کے علاوہ دوسری آیتوں میں صفت عفو اور صفت قدرت کو ایک ساتھ ذکر کیا جانا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کامل عفو یہ ہے کہ انتقام ومواخذہ پر مکمل قدرت وطاقت رکھنے کے باوجود معاف کر دیا جائے۔

قدرت اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جس کا تعلق ممکنات سے ہے چاہے عملاً اس شئ کا وجود ہو چکا ہو یا ابھی وہ شئ عدم میں ہو، کائنات میں ہر ہونے والا تغیر اس کی قدرت ومشیت کے تحت ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

"ماشاء اللہ کان ومالم یشالم یکن"

یعنی جو کچھ اللہ نے چاہا ہوا اور جو کچھ نہیں چاہا نہیں ہوا۔

آیت کریمہ ﴿ولیعفوا ولیصفحوا ألاتحبون أن یغفر اللہ لکم﴾ ابوبکر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی جب کہ انہوں نے اپنی خالہ زاد بہن کے بیٹے مسطح بن اثاثہ کی کفالت نہ کرنے کی قسم کھالی تھی کیونکہ واقعۂ افک کے متعلق قیاس آرائیاں کرنے والوں میں یہ بھی شریک تھے۔لیکن جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو ابوبکرؓ نے کہا:

''واللہ! میں یہی چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف فرمائے''

اور پھر مسطح کی کفالت دوبارہ کرنے لگے۔

آیت کریمہ ﴿وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین﴾ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی بن سلول کے بارے میں نازل ہوئی۔اس نے کسی غزوے میں قسم کھائی کہ مدینہ پہونچنے کے بعد وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر اللہ کے رسول اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو وہاں سے نکال باہر کردے گا۔اسی واقعے کی طرف اشارہ کرنے کیلئے یہ آیت نازل ہوئی:

''یقولون لئن رجعنا الی المدینة لیخرجن الأعز منهاالأذل''

''لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ لوٹ گئے تو وہاں سے عزت والے ذلیلوں کو ضرور نکال باہر کردیں گے'' (المنافقون:۸)

وہ خود کو اور اپنے ساتھیوں کو باعزت اور رسول و آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو ذلیل سمجھ رہا تھا۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے قول کی تردید میں یہ آیت نازل فرمائی ''وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین'' یعنی اللہ کے لئے عزت ہے اور اس کے رسول و مومنین کے لئے''۔

عزت ایسی صفت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے ثابت کیا ہے۔قرآن میں ہے:﴿وھو العزیز الحکیم﴾ ''وہ عزیز حکمت والا ہے''۔ایک دوسری جگہ ہے ﴿وکان اللہ قویا عزیزاً﴾ یعنی ''اللہ قوی وعزیز ہے'' (الاحزاب:۲۵)

حدیث شفاعت میں اس نے اپنی اس صفت کی قسم بھی کھائی ہے۔فرمایا:

''میری عزت و کبریائی اور بزرگی کی قسم! لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرنے والے ہر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شخص کو جہنم سے ضرور نکالوں گا'' ابلیس نے بھی کہا تھا '' تیری عزت کی قسم! میں ان تمام کو ضرور بہکاؤں گا سوائے ان کے جو تیرے نیک و مخلص بندے ہوں گے۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی بخاری کی حدیث میں ہے: ''ایوب علیہ السلام عریاں ہوکر غسل کر رہے تھے کہ اتنے میں ان کے پاس سونے کی ٹڈی گری، ایوبؑ اسے اپنے کپڑے میں جمع کرنے لگے تو ان کے رب نے انہیں پکارا: کیا میں نے تمہیں ان چیزوں سے غنی نہیں کر دیا؟ ایوبؑ نے فرمایا: کیوں نہیں، تیری عزت کی قسم! لیکن میں تیری برکت سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درد سے شفا حاصل کرنے کے لئے ایک دعا سکھلائی تھی جس کے الفاظ یہ ہیں:

''أعوذ بعزۃ اللہ وقدرتہ من شر ماأجد وأحاذر''

''میں اللہ کی عزت اور اس کی قدرت کی پناہ میں آتا ہوں ہر اس چیز کے شر سے جسے میں محسوس کرتا ہوں اور ڈرتا ہوں۔''

عزت کا لفظ اگر باب نصر سے آئے تو بمعنیٰ غلبہ وتسلط اور باب فتحہ سے آئے تو بمعنیٰ قوت وصلابت ہوگا۔ چنانچہ ''ارض عزاز'' سخت زمین کو کہتے ہیں، نیز اگر باب ضرب سے آئے تو اس وقت علو قدر اور دفاع کے معنی میں ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے یہ تمام معانی ثابت ہیں۔

رہی آیت ﴿تبارک اسم ربک ذو الجلال والاکرام﴾ تو اس کا لفظ تبارک برکت سے مشتق ہے معنی ہے خیر کا دوام اور اس کی کثرت، ذوالجلال کا معنی ہے عظمت وبزرگی والا، اللہ کے مقابلے میں اس سے زیادہ عظمت وجلال کا مالک کوئی نہیں ۔ والاکرام کا مطلب ہے وہ ذات جو غیر مناسب صفات وافعال سے محفوظ ہے۔ ایک قول کے مطابق اس کا ایک معنی یہ بھی ہوسکتا ہے جو دنیا وآخرت دونوں میں اپنے بندوں کی مختلف اعزازات سے نواز کر عزت افزائی کرنے والا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض سلبی وتنزیہی صفات کا بیان

وقولہ: ﴿فاعبدہ واصطبر لعبادتہ ھل تعلم لہ سمیاً﴾ (مریم: ٦٥)

﴿ولم یکن لہ کفواً أحد﴾ (الاخلاص: ٤)

وقولہ: ﴿فلا تجعلوا للہ أنداداً وأنتم تعلمون﴾ (البقرۃ: ٢٢)

﴿ومن الناس من یتخذ من دون اللہ أنداداً یحبونھم کحب اللہ﴾ (البقرۃ: ١٦٥)

وقولہ: ﴿وقل الحمدللہ الذی لم یتخذ ولداً ولم یکن لہ شریک فی الملک ولم یکن لہ ولی من الذل وکبرہ تکبیراً﴾ (الاسراء: ١١١)

﴿یسبح للہ مافی السمٰوات ومافی الأرض لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شئ قدیر﴾ (التغابن: ١)

وقولہ: ﴿تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیراً. الذی لہ ملک السمٰوات والأرض ولم یتخذ ولداً ولم یکن لہ شریک فی الملک وخلق کل شئ فقدرہ تقدیراً﴾ (الفرقان: ١)

وقولہ: ﴿مااتخذ اللہ من ولد وما کان معہ من الہ اذاً لذھب کل الٰہ بما خلق ولعلا بعضھم علیٰ بعض سبحان اللہ عمایصفون. عالم الغیب والشھادۃ فتعالیٰ عما یشرکون﴾ (المؤمنون: ٩١)

﴿فلاتضربوا للہ الأمثال. ان اللہ یعلم وأنتم لاتعلمون﴾ (النحل: ٧٤)

﴿قل انما حرم ربی الفواحش ماظھر منھا وما بطن والاثم والبغی بغیر الحق وأن تشرکوا باللہ مالم ینزل بہ سلطاناً وأن تقولوا علی اللہ مالا تعلمون.﴾ (الاعراف: ٣٣)

یہ تمام آیات (جو کہ قرآن کے دس مقامات سے لی گئی ہیں) اللہ تعالیٰ کی چند

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلبی صفات کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ مثلاً: ان آیات میں اس کی ذات سے مسمی یعنی ہم نام، کفو یعنی برابری کرنے والا، اور اسی طرح ند، ولد، شریک اور ولی کی نفی کی گئی ہے، ساتھ ہی اس کی بعض اثباتی صفات مثلاً مالک، حمد، قدرت، کبریائی اور تبارک کا بھی پتہ چلتا ہے۔

رہا پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول "هل تعلم له سميا" تو اس سلسلے میں شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں:

"اہل لغت کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ کیا تم اس کا کوئی نظیر جانتے ہو جو اس کے نام کے جیسے نام کا مستحق ہو؟ یا اس کے جیسا کوئی ہے جو اس کے مقابل ہو سکے؟ یہ تفسیر ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے: "کیا تم اس کا مثل اور اس کے جیسا کسی کو جانتے ہو کہ ہم معنی ہے؟ آیت میں استفہام انکاری ہے معنی ہے "لاتعلم له سميا" یعنی اس کا کوئی مثل یا ہم نام نہیں جانتے۔

دوسری آیت ﴿ولم يكن له كفوا أحد﴾ میں کفو سے مراد ہے برابری کرنے والا، یہ آیت کریمہ عمومی طور پر ہر قسم کی مشابہت اور نظیر کی نفی کر رہی ہے کیونکہ لفظ "أحداً" نفی کے سیاق میں نکرہ واقع ہوا ہے۔ سورۂ اخلاص کے سلسلے میں گفتگو پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے۔

رہی تیسری آیت ﴿فلاتجعلو للهاندادا﴾ تو اس میں "اندادا" ند کی جمع ہے بمعنی نظیر و قائم مقام، کہتے ہیں: "ليس للهندو لا ضد" یعنی نہ تو اللہ کا کوئی مثل ہے اور نہ ہی ضد۔ و أنتم تعلمون والا جملہ تجعلوا کی ضمیر سے حال واقع ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جب تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہے اسی نے تم کو پیدا کیا ہے اور وہی رزق کا انتظام بھی کرتا ہے اور یہ معبود جنہیں تم نے اس کا شریک بنا رکھا ہے کوئی شئ بھی پیدا کرنے پر قادر نہیں بلکہ یہ خود مخلوق ہیں جو تمہارے کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں تو تم ان کی عبادت کو چھوڑ کر صرف ایک اللہ کی عبادت و تعظیم بجالاؤ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چوتھی آیت کریمہ ﴿ومن الناس من یتخذ من دون اللہ أنداداً یحبونھم کحب اللہ﴾ میں اللہ رب العزت مشرکین کے طرز عمل کی خبر واطلاع دے رہا ہے کہ وہ لوگ اپنے معبودوں سے ایسی ہی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے کرتے ہیں یعنی یہ لوگ محبت میں انہیں اس کے مساوی اور برابر قرار دیتے ہیں لیکن مشرکین کی ان کے معبودوں سے محبت کے مقابلے میں، مومن اللہ سے محبت کرنے میں بہت ہی زبردست ہیں کیونکہ انہوں نے محبت کو صرف ایک اللہ کے لئے خالص کرلیا ہے جب کہ مشرکین کی محبت ان معبودوں کے درمیان بٹی ہوئی ہے۔ اور یہ مسلم حقیقت ہے کہ اگر محبت کا رخ صرف ایک طرف ہوتو وہ زیادہ پختہ اور قوی ہوتی ہے۔

اس آیت کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ مشرکین اپنے معبودوں سے بالکل ایسے ہی محبت رکھتے ہیں جیسے مومنین اللہ سے، لیکن مومنین محبت کے معاملے میں مشرکین کے بہ نسبت بہت آگے ہیں۔

پانچویں آیت ﴿وقل الحمد للہ الذی لم یتخذ ولداً ولم یکن لہ شریک فی الملک ولم یکن لہ ولی من الذل وکبرہ تکبیراً﴾ میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ حمد وثنا اللہ کے لئے ہے، معنی حمد کے تعلق سے گفتگو گزر چکی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ حصول نعمت یا غیر نعمت پر زبان سے تعریف کرنے کا نام ''حمد'' ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے حمد کا اثبات ان تمام کمالات کے اثبات پر مشتمل ہے جن کی انتہاء تک پہنچ کر ہی کوئی حمد مطلق کا مستحق ہوسکتا ہے۔

پھر اسی آیت میں آگے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے ان تمام صفات کی نفی کی جو اس کے کمال حمد کی منافی ہیں، یعنی اس بات کی صراحت فرمائی کہ نہ تو اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ ہی شریک اور نہ ہی وہ کمزور ومحتاج ہے کہ اسے کسی مددگار کی ضرورت ہو، پس اللہ اپنی مخلوقات میں سے کسی کو اس لئے دوست نہیں بناتا کہ وہ کمزور ہے یا اس کا ضرورت مند ہے۔ پھر اپنے بندوں اور رسول کو اس بات کا حکم دیا کہ وہ اس کی تکبیر بیان کرے یعنی اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی تعظیم و بڑائی بیان کرے اور ہر اس ناقص صفت سے اس کی ذات کو منزہ اور پاک بتلائے جس سے اس کے دشمن یعنی مشرکین اسے متصف قرار دیتے ہیں۔

سورۂ تغابن کی آیت کریمہ ﴿یسبح للہ مافی السمٰوات ومافی الأرض لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیٔ قدیر﴾ میں اس امر کی صراحت کی گئی ہے کہ آسمان وزمین کی ہر شئی اس کی تسبیح بیان کر رہی ہے۔ تسبیح کے معنی ہیں خرابی ونقص سے منزہ اور پاک بتانا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آسمان وزمین کی ہر شئی اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کر رہی ہے۔ اور اس کے کمال علم وحکمت اور اس کے کمال قدرت وتدبیر نیز اس کے کامل عزت ورحمت کی گواہی دے رہی ہے۔ چنانچہ اللہ رب العزت فرماتا ہے ﴿وان من شیٔ الا یسبح بحمدہٖ ولکن لاتفقھون تسبیحھم﴾ یعنی ہر شئی اس کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کر رہی ہے مگر تم لوگ اس کی تسبیح بیان کرنے کی کیفیت کو سمجھتے نہیں ہو۔ (الاسراء:۴۴)

قوت گویائی سے محروم جمادات کی تسبیح بیان کرنے کی کیفیت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا ان کی تسبیح زبان حال سے ہوتی ہے یا زبان قال سے۔ میرے نزدیک اس قرآنی دلیل کی بنیاد پر دوسری صورت راجح ہے۔ قرآن کہتا ہے: ﴿ولکن لا تفقھون تسبیحھم﴾ یعنی تم ان کی تسبیح کی کیفیت کو سمجھتے نہیں۔ اگر اس سے زبان حال سے تسبیح بیان کرنا مراد ہوتا تو بات بالکل واضح تھی، یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں۔"

داؤد علیہ السلام کے متعلق خبر دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿انا سخرنا الجبال معہ یسبحن بالعشی والاشراق. والطیر محشورۃ کل لہ أواب﴾ (ص:۱۸۔۱۹)

"ہم نے پہاڑ کو حکم دے رکھا تھا کہ اس کے ساتھ شام وصبح کی تسبیح بیان کرے،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور پرندوں کو بھی جو جمع ہو کر اس کے ساتھ مشغول ذکر رہتے۔"

اب رہا اللہ تعالیٰ کا یہ قول: ﴿تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیراً. الذی له ملک السموات والأرض ولم یتخذ ولداً ولم یکن له شریک فی الملک وخلق کل شیٔ فقدرہ تقدیراً﴾ تو اس میں مذکور لفظ "تبارک" کے سلسلے میں گزر چکا ہے کہ یہ برکت سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں خیر اور بھلائی میں دوام اور کثرت واضافہ۔ لیکن یہاں کثرت واضافہ کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے نقص تھا۔ بلکہ ان اختیاری کمالات میں تجدد اور اضافہ مراد ہے جو کہ اس کی قدرت اور اس کی مشیت کے تابع ہیں۔ چنانچہ یہ اختیاری کمالات اس کی ذات میں اس کی حکمت کے مطابق وجود پذیر ہوتے ہیں، لہٰذا اس کی حکمت کے تقاضے سے قبل ان کا عدم وجود کسی قسم کا نقص شمار نہ ہوگا۔

"تبارک" کی تفسیر بعض نے ثبات ودوام اور عدم تغیر سے کی ہے اسی معنی کا اعتبار کرتے ہوئے تالاب کو بِرکۃٌ کہا جاتا ہے کیونکہ اس کا پانی باقی رہتا ہے لیکن یہ تفسیر غیر معروف ہے۔

"فرقان" سے مراد قرآن ہے کیونکہ اس کے اندر حق وباطل اور ہدایت وگمراہی کے درمیان تفریق کرنے کی قوت ہے۔ نزل کا لفظ بالتشدید لانے کا فائدہ یہ ہے کہ قرآن یکبارگی نہیں بلکہ بتدریج نازل ہوا ہے۔ "عبدہ" سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف واعزاز کو بتانے کے لئے آپ کو عبودیت کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ "العالمین" عالم کی جمع ہے اور یہ جمع مذکر سالم ہے جو کہ صرف عاقل کی جمع ہوتی ہے۔ عالم سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلے میں کئی اقوال ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ اس سے مراد صرف انسان ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ انسان کے ساتھ جنات بھی عالم کے معنی میں شامل ہیں اور یہی قول صحیح ہے۔

حدیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنات کے لئے مبعوث کئے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گئے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لیجاتے اور ان پر قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ جنات کے ایک گروہ نے قرآن سن کر اسلام قبول کرلیا۔ اور پھر اس قرآن کے ذریعے اپنی قوم کو ڈرانے بھی گئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿واذ صرفنا الیک نفراًمن الجن یستمعون القرآن. فلما حضروہ قالوا أنصتوا فلما قضی ولوا الی قومھم منذرین﴾ (الاحقاف: ۲۹)

''اور جب ہم نے تمہاری طرف جنوں کی ایک جماعت کو قرآن سننے کے لئے پھیر دیا تھا پس وہ جب رسول کے پاس پہونچے تو انہوں نے کہا تم سب کان لگا کر سنو، جب تلاوت ختم ہوگئی تو وہ اپنی قوم کے پاس گئے ......وہ اپنی قوم کو عذاب الٰہی سے ڈرانے والے تھے۔''

''نذیر'' یا ''منذر'' اس شخص کو کہتے ہیں جو خوف دلا کر کوئی چیز سکھائے، اس کی ضد ''بشیر'' یا ''مبشر'' ہے یعنی وہ شخص جو خوش کن خبر دے۔

تعدد الٰہ کا ابطال

آیت کریمہ ﴿مااتخذ اللہ من ولد وما کان معہ من الہ اذالذھب کل الہ بما خلق ولعلا بعضھم علی بعض﴾ بھی چند تنزیہی صفات پر مشتمل ہے جن کا مقصد اللہ کی ذات سے ان صفات کی نفی کرنا ہے جو اس کے شایان شان نہیں ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنے آپ کو اس سے منزہ اور پاک بتایا ہے کہ اس نے کسی کو اپنا بیٹا قرار دیا ہو یا اس کے ساتھ کوئی ایسا معبود ہو جو کہ خالق بن سکے، نیز اپنے آپ کے ان تمام صفات سے متصف ہونے سے نفی کی ہے جن صفات سے افتراء پرداز اور کذاب حضرات اسے متصف قرار دیتے ہیں۔ اور ساتھ ہی اپنی ذات وصفات کے سلسلے میں مثال بیان کرنے، بغیر برہان ودلیل کے کسی کو شریک قرار دینے اور بغیر علم ودلیل کے اس کی طرف غلط باتیں منسوب کرنے کی بھی ممانعت کردی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ آیت کریمہ توحید الوہیت اور توحید ربوبیت کے اثبات پر مشتمل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا کسی دوسرے الٰہ کے عدم وجود کی اطلاع دینے کے بعد صاف اور روشن دلیل کے ذریعے واضح کردیا ہے کہ اگر اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہوتا جیسا کہ مشرکین کہتے ہیں تو ہر معبود اپنی مخلوقات کے ساتھ الگ ہوجاتا اور ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتا۔

قرآن کی اس دلیل کی توضیح یہ ہے کہ جب متعدد معبود ہوں گے تو لازمی طور پر ہر ایک کی الگ مخلوق ہوگی اور ہر ایک کا عمل دخل ہوگا، ان کے درمیان آپسی تعاون کی بھی کوئی سبیل نہ ہوگی کیونکہ آپسی اختلاف تو ہوگا ہی۔ تخلیق کے سلسلے میں اگر ایک دوسرے کا تعاون کرے گا تو گویا اپنی حد تک ہر ایک کا عاجز ہونا لازم آئے گا اور عاجز معبود نہیں بن سکتا۔ تو پھر ضروری ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی مخلوق اور اپنے فعل کے سلسلے میں خود مختار ہو۔ اس صورت میں یا تو سب اپنی طاقت وقوت میں برابر ہوں گے اور ان میں سے کوئی کسی پر تسلط یا غلبہ نہ پاسکے گا چنانچہ ہر ایک اپنی اپنی مخلوق کے ساتھ اپنے خاص ملک میں الگ ہوجائے گا جیسا کہ دنیا کے ملوک کرتے ہیں، اس صورت میں ایک دوسرے پر غلبہ اور تسلط کی قباحت سے بچ جائیں گے۔ یا ان میں کا کوئی ایک سب پر بھاری اور غالب ہوگا چنانچہ وہ سب کو مغلوب کرلے گا اور جبر کرکے خلق اور تدبیر میں سب سے منفرد ہوجائے گا۔

متعدد معبود والٰہ ہونے کی حالت میں دو امور میں سے کوئی ایک امر لازمی طور پر وقوع پذیر ہوگا۔

۱...... یا تو ہر ایک اپنی مخلوقات کے ساتھ الگ تھلگ ہوجائے گا۔

۲...... یا سب کے سب ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔

پہلی صورت یعنی ہر ایک کا اپنی مخلوق کو لیکر الگ تھلگ ہوجانا اس لئے ممکن نہیں کہ اس سے تنافر اور اجزائے عالم میں انفصال لازم آئے گا۔ جب کہ مشاہدہ کہتا ہے کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عالم کے تمام اجزاء آپس میں مرتبط اور جڑے ہوئے ایک جسم کے مانند ہیں، چنانچہ یہ بات محقق ہوگئی کہ اس میں صرف ایک ہی الٰہ کا اثر ممکن ہے۔

دوسری صورت یعنی ایک دوسرے پر چڑھائی اور غلبہ وتسلط حاصل کرنے کی صورت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ الٰہ وہی ہوگا جو تنہا سب پر غالب ہو۔

آیت کریمہ ﴿فلا تضربوا للہ الأمثال﴾ میں لوگوں کو اللہ کی مخلوقات میں سے کسی شیٔ سے اس کی تشبیہ بیان کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اسی کے لئے وہ تمام اعلی مثالیں ہیں جن میں کوئی مخلوق شریک نہیں۔

بیان کیا جاچکا ہے کہ اس کے حق میں ان تمام قیاسات کا استعمال جائز نہیں جن سے اس کے اور دوسروں کے درمیان مماثلت ومساوات لازم آتی ہو، خواہ وہ قیاس تمثیل ہو یا قیاس شمول، البتہ قیاس اولیٰ کا استعمال کیا جاسکتا ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ہر وہ ثابت شدہ کمال وخوبی جس کے سبب کسی قسم کا نقص لازم نہیں آتا مخلوق اگر اس سے متصف ہے تو خالق اس سے متصف ہونے کا زیادہ حقدار ہے، کیونکہ اسی نے مخلوق کو وہ خوبی عنایت کی ہے۔ مزید یہ کہ اگر وہ اس خوبی وکمال سے متصف نہ ہوگا باوجودیکہ اس کیلئے اس سے متصف ہونا ممکن ہو تو اس کی مخلوق میں ایسے شخص کا وجود لازم آئے گا جو اس سے بھی کامل ہو، اور ایسا ہونا محال وناممکن ہے۔ اسی طرح ہر وہ نقص جس سے مخلوق منزہ اور پاک ہے تو خالق بدرجۂ اولیٰ اس سے منزہ ہوگا۔

اس سلسلے کی آخری آیت کریمہ میں اُداۃ قصر ''انما'' سے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ اس میں جن اشیاء کا تذکرہ ہے صرف وہی حکم حرمت کے ساتھ خاص ہیں، اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ان کے علاوہ دیگر تمام اشیاء جو طیب ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ وہ مباح ہیں اس کے استعمال میں کسی قسم کی قباحت نہیں۔

فواحش، فاحشۃ کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں قباحت میں انتہا کو پہونچا ہوا فعل، بعض حضرات نے ان معاصی اور گناہ کے کاموں پر اس لفظ کا اطلاق کیا ہے جن میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شہوت اورلذت کا تصور ہو، چاہے وہ ظاہری ہوں مثلاً زنا اورلواطت وغیرہ یا ان کا تعلق باطنی فواحش سے ہو مثلاً کبر وتکبر اور ریاست وعہدے کی خواہش وغیرہ۔

اب رہا ''اثــــم'' تو اس سے بعض لوگ صرف معصیت مراد لیتے ہیں اس صورت میں اس سے مراد وہ گناہ ہوں گے جو فحش سے کم درجے کے ہوں۔ جب کہ بعض نے اس کو خمر یعنی شراب کے ساتھ خاص مانا ہے۔اس صورت میں تو یہ گناہوں کی جڑ ہے۔

آیت میں مذکور لفظ ''ألبغي بغیر الحق'' کے معنی ہیں لوگوں پر تسلط اور ظلم کرنا اور یہ ظلم واعتداء قصاص یا مماثلت کی بنیاد پر نہ ہو۔

''وأن تشرکوا باللہ مالم ینزل بہ سلطانا'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی عبادت کرنا حرام ہے نیز عبادت وتقرب کی تمام قسموں میں سے کسی ایک قسم کے ذریعے غیر اللہ سے تقرب حاصل کرنا بھی حرام ہے، مثلاً دعا، نذر، ذبح ،خوف ورجاوغیرہ۔ان تمام کا تعلق ان امور سے ہے جس میں اپنے دل کو اللہ کے لئے خالص کرنا اوراپنے چہرے کو اس کے سامنے جھکا دینا ایک بندے پر واجب اورضروری ہے اور اللہ کو چھوڑ کر ایسے اولیاء مقرر کرنا بھی حرام ہے جو عبادت اورمعاملات کے تعلق سے ایسا طریقہ مقرر کریں جس کی اللہ نے اجازت نہ دی ہو، جیسا کہ بعض اہل کتاب نے اپنے علماءورا ہبوں کے ساتھ کیا ہے۔اس طرح کہ انہوں نے قانون سازی وشریعت سازی میں انہیں اپنا رب بنالیا تھا۔ چنانچہ ان راہبوں نے اللہ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال اورحلال کردہ اشیاء کو حرام قرار دے دیا۔اوراہل کتاب نے اس معاملے میں ان کی پیروی بھی کی۔...................... آیت کریمہ :''مالم ینزل بہ سلطانا'' میں بیان شدہ حکم کی قید بیان کی گئی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی دوسرے چیز کی عبادت کی جائے یا اتباع وپیروی کی جائے تو ایسا کرنا .... سراسر بے دلیل ہے۔

رہا ''بغیر علم کے اللہ پر بات کہنا'' تو یہ بہت وسیع مفہوم میں ہے اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کے متعلق ہر وہ بات آجاتی ہے جو بغیر کسی دلیل وحجت کے کی جائے۔ مثلاً: اللہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی ثابت کردہ اشیاء کا انکار کرنا اور اس کی نفی کردہ اشیاء کو ثابت کرنا، نیز تحریف وتاویل کی وجہ سے اس کی آیات میں الحاد کرنا وغیرہ وغیرہ۔

علامہ ابن قیم اپنی کتاب ''اعلام الموقعین'' میں لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ پر کوئی بات بنالینا اور فتووں وفیصلوں میں بغیر علم کے زبان کھولنا یہ تمام حرام کاموں میں سب سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿**قل انما حرم ربی الفواحش ماظهر منها ومابطن والاثم والبغی بغیر الحق وأن تشركوا بالله مالم ینزل به سلطانا وأن تقولوا علی الله مالاتعلمون**﴾ یعنی کہہ دے کہ میرے رب نے تو تمام برائیوں اور بدیوں کو بالکل حرام ہی کر دیا ہے خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ، اور گناہ وظلم کو حرام کیا ہے۔ اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنے کو جس کی کوئی آسمانی دلیل نہیں ہے اللہ نے حرام کیا ہے۔ اور اس بات کو بھی کہ اللہ کے ذمے وہ کہو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔...... اس آیت سے ظاہر ہورہا ہے کہ بے علمی کے ساتھ شریعت کی بات بتانی تمام حرام کاموں میں بڑھ کر حرام ہے اس لئے کہ آیت میں حرمتوں کا ذکر ترتیب سے ہے، سب سے پہلے سب سے ہلکی چیز یعنی فحش کاموں کی حرمت ہے، اس کے بعد اس سے بڑھی ہوئی حرمت گناہ اور ظلم کی ہے۔ پھر اس کے بعد اس سے بھی بڑھی ہوئی حرمت والی چیز یعنی اللہ کے ساتھ شرک کرنے کی حرمت کا ذکر ہے پھر چوتھے اور آخری وانتہائی مرتبے میں ان سب سے بڑھ چڑھ کر جو چیز اشد حرام ہے اس کا ذکر ہے۔ یعنی اللہ کا نام لیکر وہ بات کہنا جس کا علم نہ ہو۔ خواہ وہ قول اللہ کے ناموں میں ہو، اس کی صفتوں میں ہو، اس کے کاموں میں ہو، اس کے دین اور اس کی شریعت میں ہو، کسی میں ہو سب کا یہی عام حکم ہے۔''

(اعلام الموقعین اردو ج ۱: ص۴۴)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استویٰ علی العرش کا بیان

وقوله (الرحمن على العرش استوىٰ) فى سبعة مواضع:

وفى سورة الأعراف قوله:﴿ان ربكم الله الذى خلق السمٰوات والأرض فى ستة ايام ثم استوىٰ على العرش﴾

وقال فى سورة يونس:﴿ ان ربكم الله الذى خلق السمٰوات والأرض فى ستة ايام ثم استوىٰ على العرش﴾

وقال فى سورة الرعد:﴿ الله الذى رفع السمٰوات بغيرعمد ترونها ثم استوىٰ على العرش﴾

وقال فى سورة طه:﴿الرحمن على العرش استوىٰ﴾

وقال فى سورة الفرقان:﴿ثم استوىٰ على العرش﴾

وقال فى سورة الم السجدة:﴿الله الذى خلق السمٰوات والأرض ومابينهما فى ستة أيام ثم استوىٰ على العرش﴾

وقال فى سورة الحديد:﴿ هوالذى خلق السمٰوات والأرض فى ستة أيام ثم استوىٰ على العرش﴾

یہ وہ سات مقامات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے خود کو عرش پر مستوی ہونے کی خبر دی ہے، اور یہ تمام دلائل قرآنی آیات ہونے کے سبب قطعی الثبوت ہیں۔ چنانچہ جہمیہ یعنی صفات کے باب میں مذہب تعطیل اختیار کرنے والے بھی ان آیات کا رد و انکار نہیں کر سکتے۔[1] اور ساتھ ہی یہ تمام آیات استواء علی العرش کے اثبات کے باب میں اس

[1] واضح رہے کہ جہمیہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کو تسلیم نہیں کرتے۔ (اعلام الموقعین اردو ج ۱ ص ۵۲۹)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قدر واضح ہیں کہ ان میں کسی ناحیے سے بھی تاویل نہیں کی جاسکتی ۔کیونکہ لفظ استویٰ کو حرف جار''علیٰ'' کے ساتھ استعمال کرنے کی صورت میں اسکا معنی ''علو اور ارتفاع'' ہی سمجھا جاسکتا ہے۔اسی لئے اس کے معنی کے تعلق سے سلف کی تفسیریں چار معنوں کے درمیان گردش کررہی ہیں جنہیں علامہ ابن القیم نے اپنے قصیدۂ نونیہ میں ذکر کیا ہے۔وہ چار معانی یہ ہیں۔

(۱)استقر (۲)علا (۳) ارتفع (۴)صعد

اہل سنت والجماعت اللہ کے عرش پر مستوی ہونے اور مخلوق سے اس کے جدا اور الگ ہونے کے متعلق ایمان رکھتے ہیں بالکل اسی کیفیت کے ساتھ جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے جیسا کہ امام مالک اور ان کے علاوہ دوسرے علماء نے فرمایا تھا''الاستواء معلوم والکیف مجھول'' یعنی استوا تو معلوم ہے لیکن اس کی کیفیت معلوم نہیں۔ رہے وہ تمام فاسد لوازمات وخدشات جنہیں استوا کو ثابت کرنے کی صورت میں اہل تعطیل پیش کرتے ہیں تو ہم اسے تسلیم نہیں کرتے کیونکہ ہم یہ نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر بلند ہونا مخلوق پر مخلوق کے بلند ہونے کی طرح ہے۔

رہی ان کی ان فاسد تاویلات کے ذریعے صریح آیتوں کو ان کے ظاہری معنی سے پھیرنے کی کوششیں جو ان کی حیرانی واضطراب کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔مثلاً استویٰ کی تفسیر استولی سے کرنا یا حرف جار'علیٰ' کو الی کے معنی میں لینا،اور استویٰ کو قصد کے معنی میں لینا وغیرہ وغیرہ وہ تمام چیزیں جسے تجہم اور تعطیل کے علمبردار زاہد کوثری نے ان سے نقل کیا ہے یہ سب باطل کا سہارا لیکر فساد وہنگامہ برپا کرنے کے مترادف ہے اور حق کی اصلیت میں تغیر کرنا ہے۔جو ان کے حق میں ذرا بھی سودمند نہیں۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنے اس طرز عمل سے یہ معطلہ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں، کیا یہ لوگ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آسمان میں کوئی ایسا رب ہی نہیں ہے جس کا قصد کیا جائے اور نہ ہی عرش کے اوپر ایسا کوئی اللہ ہے جس کی عبادت کی جائے ،تو پھر وہ آخر کہاں ہوگا؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاید وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے تعلق سے لفظ ''این'' کے ذریعے سوال کرنے کے ہمارے موقف کا مذاق بھی اڑاتے ہوں گے۔ لیکن وہ یہ بات بھول گئے کہ مخلوق میں سب سے کامل اور اپنے رب کے متعلق سب سے زیادہ جاننے والے شخص نے بھی اسی لفظ کے ذریعے سوال کیا تھا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آپ نے ایک لونڈی سے پوچھا ''أین اللّٰہ'' اللہ کہاں ہے؟ اور جب اس نے یہ جواب دیا کہ'' آسمان میں ہے'' تو اس پر آپ نے رضامندی کا اظہار کیا۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور شخص کو جواب دیا تھا جب کہ اس نے آپ سے سوال کیا کہ آسمان وزمین کی تخلیق سے قبل اللہ کہاں تھا؟ آپ نے فرمایا ''کان فی عماء'' یعنی ....

آپ سے یہ بات نقل نہیں کی گئی کہ آپ نے اس شخص کو ڈانٹا ہو یا یہ کہا ہو کہ تم نے غلط سوال کیا ہے۔

ان میں سے ڈینگیں مارنے والوں کا اس باب میں زیادہ سے زیادہ یہی خیال ہے کہ اللہ موجود تھا پر اس کا کوئی مکان نہ تھا پھر مکان کی تخلیق کی لیکن وہ اب بھی اسی طرح ہے جیسے مکان کی تخلیق سے پہلے تھا۔

''اللہ تعالیٰ موجود تھا لیکن اس کا کوئی مکان نہ تھا'' تو مکان سے یہ بے عقل کون سا مکان مراد لیتے ہیں؟ کیا اس سے وہ لوگ یہ ظاہری اَمکنہ ومکانات مراد لیتے ہیں جن پر کائنات مشتمل ہے؟ یہ امکنہ ومقامات تو حادث وفنا ہونے والی ہیں۔ اور ہم بھی اس بات کے قائل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وجود ان حادث مکانات میں ہے کیونکہ اس کی مخلوق میں سے کوئی بھی شئ اس کی عظمت ووسعت کو پا نہیں سکتی۔

اور اگر اس مکان سے مکان عدمی مراد لیتے ہیں جو کہ صرف ایک خلا ہے اور جس میں کسی شئ کا وجود ہی نہیں ہے، تو اس پر یہ کہنا صادق ہی نہیں آئے گا کہ'' پہلے نہیں تھا پھر اس کی تخلیق ہوئی'' کیونکہ اس میں خلق کا تعلق ہی نہیں ہے یہ تو ایک عدمی معاملہ ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی اس کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے مکان کا ثبوت اس معنی میں ہے جس پر کتاب وسنت کے نصوص دلالت کررہے ہیں تو اس کے ماننے اور تسلیم کرنے میں کیا قباحت ہے؟

بلکہ اس تعلق سے سب سے صحیح بات یہ ہے کہ اس بات کا اقرار کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ موجود تھا اس سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی پھر چھ دنوں میں آسمان وزمین کو پیدا کیا۔ اس کا عرش پانی پر تھا پھر عرش پر مستوی ہوا۔ آیت کریمہ ثم استویٰ علی العرش (پھر وہ عرش پر مستوی ہوا) میں 'ثم' کا لفظ ترتیب زمانی کے لئے ہے حرف عطف نہیں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ کے علو و بلند ہونے کا بیان

وقوله: ﴿ياعيسى انى متوفيك و رافعك الى﴾ (آل عمران: ۵۵)

﴿بل رفعه الله اليه﴾ (النساء: ۱۵۸)

﴿اليه يصعد الكلم الطيب والعمل الصالح يرفعه﴾ (الفاطر: ۱۰)

﴿ياهامان ابن لى صرحاً لعلى أبلغ الأسباب. اسباب السمٰوات فأطلع الى اله موسىٰ وانى لأظنه كاذبا﴾ (المومن: ۳٦)

وقوله: ﴿ أأمنتم من في السماء أن يخسف بكم الأرض فاذاهي تمور، أم أمنتم من في السماء أن يرسل عليكم حاصبا فستعلمون كيف نذير﴾ (الملك: ١٦، ١٧)

یہ تمام سابقہ آیات سے ثابت مضمون یعنی اللہ تعالیٰ کے مخلوق سے جدا اور الگ ہو کر عرش کے اوپر مرتفع اور بلند ہونے کی تائید کرتی ہیں اور ساتھ ہی اس مسئلے کے تعلق سے معطلہ کے جحود وانکار کی مذمت بھی کر رہی ہیں۔ بلند و برتر ہے اللہ رب العزت ان کے ہر قسم کے قول سے۔

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور اپنے کلمہ عیسیٰ بن مریمؑ کو خطاب کر کے فرما رہا ہے کہ میں تم کو موت دینے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں، اللہ تعالیٰ نے یہ اس وقت کہا تھا جب یہودیوں نے ان کو قتل کرنے کی سازش رچی تھی۔ ''اِلَـــيَّ'' میں ضمیر یاء متکلم سے بلا احتمال اللہ رب العزت مراد ہے، اس کی یہ تاویل کرنا کہ اس سے مراد ''الى محل رحمتي يا الى مكان ملائكتي'' کہ میں تمہیں اپنی محل رحمت یا اپنے فرشتوں کے مقام کی طرف بلند کروں گا وغیرہ وغیرہ، اس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ بے معنی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری آیت میں یہودیوں کے اس دعوے کی تردید کی گئی ہے کہ انہوں نے عیسیٰ کو قتل کر دیا ہے، کہا گیا' بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا ہے'۔ "بل رفعه الله اليه".

پہلی آیت میں مذکور لفظ "متوفیک" کولیکر اختلاف ہے، بعض لوگ اس سے موت مراد لیتے ہیں جب کہ مفسرین کی اکثریت نے اس سے نیند مرادلیا ہے۔ یہ لفظ نیند کے معنی میں بھی مستعمل ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿وهو الذى يتفكم بالليل ويعلم ماجرحتم بالنهار﴾

"وہی ہے جو رات کے وقت تم پر نیند طاری کرتا ہے اور دن کے وقت جو تم کرتے ہو اس کی خبر رکھتا ہے۔" (الانعام:٦٠)

بعض حضرات کے خیال کے مطابق کلام میں تقدیم وتاخیر ہے، اصل عبارت یوں ہے "انی رافعک ومتوفیک "یعنی اٹھانے کے بعد موت دوں گا۔ صحیح بات یہی ہے کہ عیسی علیہ السلام زندہ اٹھالئے گئے ہیں قیامت کے قریب دوبارہ اتریں گے اس لئے کہ اس بارے میں صحیح احادیث مروی ہیں۔

سورۂ فاطر کی آیت میں بھی اسی بات کی صراحت ہورہی ہے کہ بندوں کے اقوال واعمال اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتے ہیں، یعنی کراماً کاتبین فرشتے روزانہ نماز فجر اور عصر کے بعد ان اعمال وافعال کولیکر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے: "پھر وہ فرشتے جنہوں نے تمہارے درمیان رہ کر رات گزاری ہے چڑھتے ہیں تو ان کا رب ان سے سوال کرتا ہے حالانکہ وہ ان سے بخوبی واقف ہے، "کیف ترکتم عبادی؟" یعنی میرے بندوں کو تم کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو؟......تو وہ فرشتے جواب دیتے ہیں: اے ہمارے رب ہم ان کے پاس اس حال میں آئے کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور انہیں اس حال میں چھوڑا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔"

رہا فرعون کے قول کو نقل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ﴿یاھامان ابن لی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صرحاً لعلی أبلغ الأسباب. اسباب السمٰوات فأطلع الی اله موسیٰ وانی لأظنه کاذبا﴾ تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے سرکش فرعون کو اس بات کی خبر دی تھی کہ ان کا معبود آسمان میں ہے۔ چنانچہ وہ اپنی قوم کو فریب میں ڈالنے کی غرض سے وہاں پہونچنے کا ذریعہ تلاش کرنے لگا۔ اس کام کے لئے اس نے اپنے وزیر ہامان کو ایک عمارت بنانے کا حکم دیا۔ پھر اس کے بعد اس نے کہا کہ میں موسیٰ کو اس کی اس خبر میں کہ اس کا معبود آسمان میں ہے جھوٹا سمجھتا ہوں،۔ اور جب ایسا ہے تو پھر کون فرعون سے مشابہت رکھتا ہے اور کون اس کے موقف کے قریب ہے؟ ہم یا یہ معطلہ !...... فرعون نے بھی موسیٰ علیہ السلام کو اس خبر میں جھٹلا دیا تھا کہ ان کا معبود آسمان میں نہیں ہے، اور یہ ٹھیک وہی بات ہے جو یہ لوگ کہہ رہے ہیں۔

اس کے بعد سورۂ ملک کی دونوں آیتوں میں اس بات کی صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے۔ یہاں عذاب، امر، ملک مراد لینا جیسا کہ معطلہ کر رہے ہیں کسی طرح درست نہیں کیونکہ یہاں لفظ "من" استفہامیہ ہے جو عاقل و عالم کے لئے موضوع ہے۔ اس کو ملک پر محمول کرنے سے لفظ کو کسی واضح قرینے کے بغیر اصل معنی سے ہٹا دینا لازم آتا ہے۔

اور "فی السماء" سے یہ سمجھنا کہ آسمان اللہ تعالیٰ کا ظرف ہے سراسر غلطی ہے۔ بلکہ اگر آسمان سے یہ معروف آسمان مراد لیا جائے تو اس صورت میں "فی" حرف "علی" کے معنی میں ہوگا۔ قرآن میں اس کی نظیر موجود ہے۔ ﴿ولأ صلبنكم فی جذوع النخل﴾ (طہ:۷۱) یعنی میں تمہیں کھجور کی شاخوں پر ضرور لٹکا دوں گا۔ اور اگر آسمان سے جہت علو مراد لی جائے تو اس صورت میں "فی" اپنے حقیقی معنی میں ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ انتہائی بلندیوں میں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ کی معیت کی نوعیت

وقوله: ﴿هو الذی خلق السمٰوات والأرض فی ستة أیام ثم استویٰ علی العرش. یعلم مایلج فی الأرض ومایخرج منها وماینزل من السماء ومایعرج فیها وهو معکم أینما کنتم. والله بماتعملون بصیر﴾ (الحدید: ۴)

وقوله: ﴿مایکون من نجویٰ ثلاثة الا هو رابعهم ولاخمسة الا هو سادسهم ولاأدنیٰ من ذالک ولاأکثر الا هو معهم أینما کانوا ثم ینبئهم بما عملوا یوم القیامة ان الله بکل شئ علیم﴾ (المجادلة :۷)

﴿لاتحزن ان الله معنا﴾ (التوبة: ۴)

وقوله: ﴿اننی معکما أسمع وأریٰ﴾ (طٰهٰ: ۲۶)

﴿ان اللہ مع الذین اتقوا والذین هم محسنون﴾ (النمل :۱۲۸)

﴿واصبروا ان الله مع الصابرین﴾ (الأنفال: ۴۶)

﴿کم من فئة قلیلة غلبت فئة کثیرة باذن الله والله مع الصابرین﴾ (البقرة: ۲۴۹)

ان تمام آیتوں سے اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ''معیت'' کا اثبات ہوتا ہے اور اس صفت ''معیت'' کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) معیت عامہ: یہ معیت ہمہ گیر ہے یعنی تمام مخلوقات پر حاوی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت وعلم وغلبہ واحاطہ کے اعتبار سے ہر شئی کے ساتھ ہے اس سے کوئی بھی شئی غائب نہیں اور نہ ہی کوئی شئی اسے عاجز کرسکتی ہے۔ پہلی آیت میں اسی معیت کا ذکر ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے متعلق یہ خبر دے رہا ہے کہ وہی تنہا ہے جس نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آسمان وزمین کی تخلیق کی یعنی انہیں ایک انداز ے اور ترتیب کے ساتھ چھ روز کی مدت میں پیدا کیا پھر اسکے بعد وہ بلند ہوا اور اپنی مخلوق کے معاملات کے انتظام وتدبیر کے لئے اپنے عرش پر مرتفع اور بلند ہو گیا۔ اس کے باوجود بھی وہ اپنے عرش کے اوپر اس طرح ہے کہ زیریں وبالائی کائنات کی کوئی بھی شئ اس سے دور یا غائب نہیں ہے۔ وہ تو جو کچھ بھی زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور اسی طرح جو کچھ آسمان سے نازل ہوتا ہے اور جو کچھ بھی آسمان میں چڑھتا ہے سب کو جانتا ہے اور یہ ایک حقیقی امر ہے کہ جس کا علم اور جس کی قدرت ہر شئ پر محیط ہو تو وہ ہر شئ کے ساتھ ہی ہوگا۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "وهو معكم أينما كنتم و الله بماتعملون بصير" یعنی تم کہیں بھی رہو وہ تمہارے ساتھ ہے، اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو وہ خوب دیکھتا ہے۔ (الحدید:۴)

آیت کریمہ ﴿مايكون من نجوىٰ ثلا ثة الاهو رابعهم﴾ سے تمام اشیاء کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم واحاطے کی عمومیت وہمہ گیریت ثابت ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ سرگوشی کرنے والوں کی سرگوشیاں بھی اس سے مخفی نہیں ہیں۔ وہ تمام اشیاء کو دیکھتا بھی ہے اور ان سے پوری طرح واقف بھی۔ "ثلاثة" کی طرف نجویٰ کی اضافت۔ اضافت صفت الی موصوف کی قبیل سے ہے، تقدیر عبارت یوں ہے "مايكون من ثلاثة نجوى" نجوی بمعنی متناجین۔

(۲) معیت خاصہ: رہیں اس کے بعد کی تمام آیات تو ان سے معیت خاصہ کا اثبات ہو رہا ہے اور یہ معیت اس کے رسول اور اولیاء کے ساتھ خاص ہے اس معیت کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد وتائید کرتا ہے اور اپنی محبت کے ساتھ ساتھ ان کو حق کے قبول کرنے کی توفیق والہام سے نوازتا ہے۔

چنانچہ آیت کریمہ ﴿لاتحزن ان الله معنا﴾ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کی ترجمانی کر رہی ہے جب کہ دونوں غار میں چھپے ہوئے تھے، مشرکین نے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکل پڑے تھے غار کے دہانے کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گھیر لیا تھا، جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ صورت حال دیکھی تو فرمایا: واللہ! اے اللہ کے رسول اگر ان میں سے کسی نے بھی اپنے پیر کی طرف دیکھ لیا تو ضرور ہمیں دیکھ لے گا۔ اس موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی بات کہی تھی جسے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کیا ہے ﴿لاتحزن ان اللہ معنا﴾ ''یعنی خوف مت کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے''۔ یہاں معیت سے مراد مدد و نصرت اور دشمن سے حفاظت کی معیت ہے۔

بعد کی آیت کریمہ ﴿انني معكما أسمع و أرىٰ﴾ کی توضیح کے سلسلے میں گفتگو گزر چکی ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو مخاطب کر کے فرمارہا ہے کہ تم دونوں فرعون کی پکڑ و گرفت سے ڈرو مت کیونکہ اللہ اپنی نصرت وتائید کے ساتھ تمہارے ہمراہ ہے۔

اور اسی طرح بقیہ تمام آیات میں اللہ رب العزت اپنے متقی بندوں کے ساتھ اپنی معیت کی خبر دے رہا ہے جو اس کے لازم کردہ اور منع کردہ امور کے اعتبار سے اپنے آپ پر کنٹرول کرتے ہوئے اللہ کے حدود کی پاسداری کرتے ہیں۔ نیز ان محسنین کے ساتھ بھی اپنی معیت کی اطلاع دے رہا ہے جو ہر شئی میں احسان کو لازم پکڑنے والے ہیں۔ واضح رہے کہ کسی بھی شئی کے اندر احسان اسی شئی کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ چنانچہ عبادت میں احسان کا مطلب ہے ''أن تعبد اللہ كأنك تراه و ان لم تكن تراه فانه يراك'' یعنی اللہ کی تم اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو، اور اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو سکے تو اس بات کا تصور رکھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے جیسا کہ حدیث جبریل میں مذکور ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ ان صابرین کے ساتھ بھی اپنی معیت کی خبر دے رہا ہے جو مشقتوں کو برداشت کرتے ہوئے اجر وثواب کی امید رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لئے اس کی اطاعت وفرمانبرداری پر استقامت ومداومت برتتے ہوئے اس کی معصیت سے بچتے ہوئے اور اس کی جانب سے نوشتۂ تقدیر پر صبر کرتے ہوئے اس کی راہ میں مشقتوں اور تکلیفوں کو برداشت کرتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صفت کلام کے باب میں اہل سنت کا موقف

وقوله: ﴿ومن أصدق من الله حديثاً﴾ (النساء: ٨٧)

﴿ومن أصدق من الله قيلاً﴾ (النساء: ١٢٢)

﴿واذقال الله ياعيسى ابن مريم﴾ (المائدة: ١١٠)

﴿وتمت كلمة ربك صدقاً وعدلاً﴾ (الانعام: ١١٥)

وقوله: ﴿وكلم الله موسىٰ تكليماً﴾ (النساء: ١٦٤)

﴿منهم من كلم الله﴾ (البقرة: ٢٥٣)

﴿ولما جاء موسىٰ لميقاتنا وكلمه ربه﴾ (الأعراف: ١٤٣)

﴿وناديناه من جانب الطور الايمن وقربناه نجياً﴾ (مريم: ٥٢)

وقوله: ﴿واذنادىٰ ربك موسىٰ أن ائت القوم الظالمين﴾ (الشعراء: ١٠)

﴿وناداهما ربهما ألم أنهكما عن تلكما الشجرة﴾ (الاعراف: ٢٢)

وقوله: ﴿ويوم يناديهم فيقول ماذاأجبتم المرسلين﴾ (القصص: ٦٥)

یہ تمام آیتیں اللہ تعالیٰ کے لئے صفت کلام کے اثبات پر مشتمل ہیں، یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں لوگوں کو بہت زیادہ اختلاف رہا ہے، چنانچہ بعض لوگ کلام کو اللہ کی ذات سے الگ اور منفصل مانتے ہیں، اوران کے مسلک کے مطابق اس کے متکلم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ خالق کلام ہے، یہ خیال معتزلہ کا ہے بعض کا خیال ہے کہ صفت کلام اللہ کی ذات کے ساتھ ازلی وابدی طور پر لازم ہے اسکی مشیت وقدرت کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے، نیز ان لوگوں نے کلام سے حروف اورآواز کی نفی کرتے ہوئے کہا کہ کلام ازل میں ایک معنی کا نام ہے۔ یہ نظریہ اشاعرہ اورکلابیہ کا ہے۔

بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ کلام اللہ کی ذات کے ساتھ لازم وقائم قدیم حروف واصوات کا نام ہے اوران کے خیال کے بموجب یہ قدیم حروف واصوات

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ازل سے ہی مقترن اور ملے ہوئے ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ یکے بعد دیگرے کلام نہیں کرتا۔ یہ موقف چند غلو پسند حضرات کا ہے۔

بعض حضرات نے صفت کلام کو حادث اللہ کی ذات کے ساتھ قائم اور اس کی مشیت وقدرت کے تابع تسلیم کیا ہے لیکن ان کا خیال یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں متکلم نہیں تھا بعد میں اس کی ذات کے اندر کلام کی ابتداو شروعات ہوئی ہے، یہ کرامیہ کی طرز فکر ہے۔

اگر ان تمام اقوال کا مناقشہ کیا جائے تو بات بہت طویل ہو جائے گی، تاہم ان تمام اقوال ونظریات کی فساد وکمزوری ہر صاحب عقل وفہم پر واضح ہے۔

اس مسئلے کے تعلق سے اہل سنت والجماعت کے موقف کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہی جب سے چاہا متکلم رہا ہے اور کلام اس کی ایک صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اپنی اس صفت کے ذریعے اپنی مشیت اور اپنی قدرت کے مطابق کلام کرتا ہے چنانچہ اس نے جب سے چاہا ہمیشہ سے متکلم رہا اور ہمیشہ رہے گا نیز اس نے جو بھی کلام کیا ہے وہ اس کے ساتھ قائم ہے، اور اس کا کلام مخلوق اور اس کی ذات سے منفصل والگ نہیں ہے جیسا کہ معتزلی حضرات کا خیال ہے، اور نہ ہی اس کی ذات کے ساتھ اس طرح لازم ہے جیسے صفت حیاۃ لازم ہے جیسا کہ اشاعرہ کہتے ہیں بلکہ وہ اس کی مشیت اور اس کی قدرت کے تابع ہے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو آواز سے پکارا، آدم وحواء کو بھی آواز سے پکارا اور قیامت کے روز اپنے بندوں کو آواز سے ہی ندا دے گا، وہ آواز سے بول کر وحی کرتا ہے۔ وہ حرف اور آواز جس کے ذریعے وہ کلام کرتا ہے اس کی ایک ایسی صفت ہے جو غیر مخلوق ہے، مخلوق کی آوازوں اور ان کے حروف کے مشابہ نہیں ہے۔ اسی طرح اس کا علم بھی جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اس کے بندوں کے علم کے مثل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اپنی کسی صفت میں بھی مخلوق کی صفت کے مشابہ نہیں ہے۔

پہلی دو آیتیں جو کہ سورۂ نساء کی ہیں اس کی توضیح کر رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑھ کر کوئی اپنی بات میں اور اپنے قول میں سچا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام خبروں سے سب سے سچا اور صادق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ خبر دی ہوئی اشیاء وحقائق کے سلسلے میں اس کا علم جامع اور ہمہ گیر ہے، وہ اشیاء کی ماہیت سے بہرطور واقفیت رکھتا ہے، جب کہ اس کے سوا کسی اور کا علم ایسا نہیں ہے۔

آیت کریمہ ﴿واذقال اللہ یاعیسی......﴾ میں قیامت کے دن اللہ کی جانب سے عیسیٰ علیہ السلام سے ہونے والے ایک سوال کی ترجمانی کی گئی ہے۔ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ سوال انہیں اور ان کی والدہ کو معبود تسلیم کرنے والے نصاریٰ کی جانب سے ان کی طرف منسوب کردہ اس قول کے متعلق ہوگا کہ وہی ہیں جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر انہیں اور ان کی ماں کو معبود بنانے کا حکم دیا تھا۔ قیامت کے دن ان سے یہ سوال ان کی براءت کے اظہار اور بد بخت گمراہ لوگوں کے کذب و بہتان کو ثابت اور واضح کرنے کے لئے کیا جائے گا۔

آیت کریمہ ﴿وتمت کلمة ربک صدقاً وعدلاً﴾ سے مراد یہ ہے کہ آپ کے پروردگار کا کلام اخبار واطلاع کے اعتبار سے سچا اور احکام کے اعتبار سے برعدل ہے کیونکہ اللہ کا کلام یا تو اخبار واطلاع ہے جو کہ انتہائی سچائی پر مبنی ہے یا احکام یعنی امر ونہی ہے جو کہ پورا کا پورا مبنی بر حکمت ورحمت ہونے کی وجہ سے عدل وانصاف کے اعلیٰ درجے پر ہے جس میں ذرا بھی جور وظلم کا امکان نہیں ہے یہاں "کلمة" سے مراد "کلمات" ہے کیوں کہ اس کی اضافت معرفہ کی طرف ہے، لفظ مفرد کی معرفہ کی طرف اضافت جمع کا فائدہ دیتی ہے۔ جیسے رحمۃ اللہ ونعمۃ اللہ

آیت کریمہ ﴿وکلم اللہ موسیٰ تکلیما﴾ اور اس کے بعد کی وہ تمام آیات جو اس بات کی صراحت کر رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ندا اور آواز دی اور اس سے کلام کیا اور ان سے حقیقی طور پر پردے کے پیچھے سے بغیر کسی فرشتے کے واسطے کے گفتگو کی ہے۔ یہ آیات اشاعرہ کے نقطہ نظر کی تردید کر رہی ہیں جو کہ صفت کلام کو بلا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حرف وآواز کے ایک معنی ثابت کرتے ہیں جو کہ نفس کے ساتھ قائم ہے۔ چنانچہ ان سے یہ سوال کیا جائے کہ ''موسیٰ علیہ السلام نے بلاحرف وآواز کے نفسی کلام کو کیسے سن لیا؟'' اگر ان کا جواب یہ ہو کہ ''اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کلام کرنا چاہا ان کے معانی کے علم کو ان کے دل میں ڈال دیا۔'' تو یہاں اس سلسلے میں موسیٰ علی السلام کی کوئی خصوصیت نہیں رہ جاتی۔ اور اگر یہ جواب دیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے کلام کو درخت یا ہوا میں پیدا کر دیا'' تو اس صورت میں یہ بات لازم آتی ہے کہ درخت ہی نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ''انـــی أنـــا ربک''، یعنی میں ہی تمہارا رب ہوں۔

مزید یہ کہ یہ آیات ان کے اس خیال کو بھی غلط ثابت کر رہی ہیں کہ ''کلام ازل میں ایک ایسے معنیٰ کا نام ہے جس کے ذریعے اللہ کی ذات میں کسی شئی کا ظہور وحدوث نہیں ہوتا'' چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ولما جاء موسیٰ لمیقاتنا و کلمه ربه﴾ یعنی جب موسیٰ ہمارے وقت موعود پر آ گئے اور ان سے ان کا رب ہم کلام ہوا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنے متعین وقت پر آ گئے تو اللہ کی جانب سے کلام صادر ہوا۔ اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتا ہے ﴿ونادینا ہ من جانب الطور الأیمن﴾ (مریم:۵۲) ''ہم نے انہیں طور کی داہنی جانب سے آواز دی'' اس آیت سے کوہ طور کی داہنی جانب آواز کا حدوث معلوم ہوا۔ اور ندا اسی آواز کو کہتے ہیں جو سنی جا سکے۔ اسی طرح آدم وحوا کے متعلق اللہ کا قول ﴿وناداھما ربھما﴾ ''ان دونوں کے رب نے انہیں ندا دی'' یہ ندا ان دونوں سے خطا سرزد ہونے کے بعد ہی صادر ہوئی جن سے قطعی طور پر حدوث ثابت ہوتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿ ویوم ینادیھم فیقول ماذا أجبتم المرسلین﴾ ''اور جس دن اللہ ان سے پکار کر پوچھے گا کہ تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا'' چنانچہ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ ندا اور یہ قول قیامت کے دن ہوگا۔

حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہر بندے سے اس حال میں سوال کرے گا کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن کلام الٰہی ہے

﴿وان أحد من المشركين استجارك فأجره حتىٰ يسمع كلام الله﴾ (التوبة : ٦)

﴿وقد كان فريق منهم يسمعون كلام الله ثم يحرفونه من بعد ماعقلوه وهم يعلمون﴾ (البقرة : ٧٥)

﴿يريدون أن يبدلوا كلام الله. قل لن تتبعونا كذٰلكم قال الله من قبل﴾ (الفتح : ١٥)

﴿واتل ماأوحى اليك من كتاب ربك لامبدل لكلماته﴾ (الكهف : ٢٧)

وقوله: ﴿ان هٰذا القرآن يقص على بنى اسرائيل أكثر الذى هم فيه يختلفون﴾ (النمل : ٧٦)

﴿وهٰذا كتاب أنزلناه مبارك﴾ (الأنعام : ١٥٥)

﴿لو أنزلنا هٰذالقرآن على جبل لرأيتهٗ خاشعا متصدعاً من خشية الله﴾ (الحشر : ٢١)

﴿واذابدلنا آية مكان آيةٍ والله أعلم بماينزل قالوا انما أنت مفتر بل أكثرهم لايعلمون﴾ (النمل : ١٠١)

﴿قل نزله روح القدس من ربك بالحق ليثبت الذين آمنوا وهدى وبشرىٰ للمسلين. ولقد نعلم أنهم يقولون انما يعلمه بشر. لسان الذى يلحدون اليه أعجميٌّ وهٰذا لسان عربيٌّ مبين﴾

(النمل : ١٠٢، ١٠٣)

یہ تمام آیات اس بات کی صراحت کر رہی ہیں کہ قرآن جس کی تلاوت کی جاتی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے جسے سنا جاتا ہے اور جو مصحف کے دو جلدوں کے مابین مکتوب ہے اللہ تعالیٰ کا حقیقی کلام ہے صرف اللہ کے کلام کی حکایت یا اس کی تعبیر نہیں ہے جیسا کہ اشعری حضرات کا خیال ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف کلام کی اضافت کرتے ہوئے کلام اللہ کہنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اس کی ایک ایسی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ یہ اضافت ''بیت'' یا ''ناقۃ'' کی اضافت کی طرح نہیں، کیوں کہ اس میں ذات کی اضافت ایک معنوی شئ کی طرف ہے اس قسم کی اضافت اس مفہوم کے لئے ہوتی ہے کہ وہ معنیٰ اس ذات کے لئے لازم وثابت ہے، برخلاف 'بیت' اور 'ناقۃ' کی اضافت کے۔ کیونکہ یہ اضافت اعیان ہے۔ اس وضاحت سے معتزلہ کے اس خیال کی نفی ہو جارہی ہے کہ ''کلام مخلوق ہے اور اللہ کی ذات سے الگ شئ ہے۔''

یہ تمام آیات اس بات پر بھی دلالت کررہی ہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ کلام ہے یعنی اس نے اس کے ذریعے ایک آواز سے کلام کیا جسے جبرئیل علیہ السلام نے سنا، پھر وہ اسے لیکر نازل ہوئے اور بالکل اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچادیا جیسے اللہ تعالیٰ سے سن کر اخذ کیا تھا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ قرآن عربی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو نازل کیا ہوا ہے اور غیر مخلوق ہے۔ اسی سے ظاہر ہوا اور اسی کی طرف لوٹ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حقیقی طور پر اس کے ذریعے کلام کیا چنانچہ وہ اسی کا حقیقی کلام ہے کسی غیر کا کلام نہیں ہے۔ جب لوگ قرآن کو پڑھتے ہیں یا اسے مصاحف میں لکھتے ہیں تب بھی وہ اللہ کا کلام ہی ہوتا ہے وہ کلام اللہ ہونے سے خارج نہیں ہوتا۔ کیونکہ کلام کی حقیقی اضافت اسی شخص کی جانب ہوتی ہے جس نے ابتداءاً اسے کہا ہو، نہ کہ اس شخص کی جانب جس نے اسے پہونچایا ہو، اللہ تعالیٰ نے اس کے حروف اور اس کے معانی کو اپنے ذاتی الفاظ سے ادا کیا ہے اس میں ذرا بھی کسی اور کے کلام کی آمیزش نہیں ہے نہ تو جبرئیل کے کلام کی نہ محمدؐ کے کلام کی اور نہ کسی اور کے کلام کی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ذاتی آواز سے ادا کیا ہے۔ لیکن جب بندے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے پڑھتے ہیں تو وہ اپنی آواز سے پڑھتے ہیں، مثال کے طور پر جب قاری تلاوت کرتے ہوئے پڑھتا ہے: ﴿الحمدللّٰہ رب العالمین﴾ تو اس سے سنا جانے والا کلام اللہ کا کلام ہے اس کا اپنا نہیں ہاں وہ پڑھتا ہے تو اسے اپنی آواز میں پڑھتا ہے اللہ کی آواز کے ساتھ نہیں۔ اور جس طرح یہ اللہ کا کلام ہے اسی طرح اس کی کتاب بھی ہے کیونکہ اس نے اسے لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے اور مصاحف میں بھی مکتوب ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿انه لقرآن كريم فى كتاب مكنون﴾ ''بے شک یہ معزز قرآن ہے جو لوح محفوظ میں موجود ہے'' (الواقعۃ:۷۷۔۷۸)

مزید فرمایا: ﴿بل هو قرآن مجيد.فى لوح محفوظ﴾ ''بلکہ یہ بڑی عظمت والا قرآن ہے، لوح محفوظ میں مکتوب ہے'' (البروج:۳۱۔۳۲)

مزید فرمایا: ﴿فى صحف مكرمة .مرفوعة مطهرة .بأيدى سفرة كرام بررة﴾ ''وہ عزت صحیفوں میں لکھا ہے، وہ صحیفے بلند مقام اور پاکیزہ ہیں وہ ایسے لکھنے والے فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں جو معزز اور نیک ہیں'' (عبس:۱۳۔۱۶)

''القرآن'' اصل میں لفظ ''القراءۃ'' کی طرح ایک مصدر ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ان قرآن الفجر كان مشهودا﴾ یہاں لفظ ''القرآن'' علم ہے اللہ کی جانب سے اس منزل کلام کا جو کہ مصحف کی دو جلدوں کے مابین مکتوب ہے جس کی تلاوت کر کے عبادت کی جاتی ہے اور جس کی سب سے چھوٹی سورہ کے ذریعے چیلنج کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿قل نزل روح القدس من ربك بالحق﴾ اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ اس کے نزول کی ابتداء اللہ کی جانب سے ہوئی اور روح القدس یعنی جبرئیل علیہ السلام نے بالکل اسی طرح حاصل کیا جس طرح کہ اس نے انہیں سکھایا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رؤیت باری تعالیٰ کا اثبات اور منکرین کا رد

وقولہ: ﴿ووجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ﴾

﴿علی الأرائک ینظرون﴾

﴿للذین أحسنوا الحسنیٰ وزیادۃ﴾

وقولہ: ﴿لھم مایشاءون فیھا ولدینا مزید﴾

وھٰذاالباب فی کتاب اللہ کثیر. من تدبر القرآن طالبا للھدی منہ تبین لہ طریق الحق.

ان آیتوں سے مومنین کے حق میں قیامت کے روز دیدار الٰہی کا اثبات ہوتا ہے۔ مومن لوگ جنت کے اندر اللہ کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔

معتزلہ نے اپنے اس موقف کو بنیاد بنا کر کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی سمت و جہت ثابت نہیں اس کی رویت کا بھی انکار کر دیا ہے، کیونکہ شئ مرئی کے لئے لازم ہے کہ وہ دیکھنے والے کی کسی جہت وسمت میں ہو اور اللہ کے لئے کوئی مکانی جہت ممکن نہیں جب کہ یہ رویت کے لئے لازمی شرط ہے۔ چنانچہ اللہ کی رویت بھی ناممکن ہے۔ اپنے اس موقف کی تائید میں بطور استدلال ایک نقل بھی پیش کرتے ہیں ﴿لاتدرکہ الأبصار﴾ ''نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں'' (الانعام:۱۰۳)

نیز اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی دلیل پکڑتے ہیں جو کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا جب کہ انہوں نے اس کے دیکھنے کی خواہش کی تھی..... ﴿لن ترانی ولکن أنظر الی الجبل فان استقر مکانہٗ فسوف ترانی﴾ ''تم مجھے نہیں دیکھ سکتے لیکن اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر یہ اپنی جگہ باقی رہ جائے تو تم مجھے دیکھ لو گے''۔ (الاعراف:۱۴۳)

جب کہ اشعری حضرات معتزلہ کی طرح اللہ کے لئے سمت وجہت کے انکار کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باوجود رؤیت کو ثابت کرتے ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ اس رویت کی تفسیر کو لیکر بہت حیران وپریشان نظر آتے ہیں ۔ان میں سے بعض کا خیال ہے کہ مومنین اسے تمام سمتوں سے دیکھیں گے اور بعض اس بات کے قائل ہیں کہ رؤیت کا تعلق بصیرت سے ہے بصارت سے نہیں اس سلسلے میں مزید کہتے ہیں کہ ''انکشاف وتجلی میں اس قدر اضافہ ہوگا کہ یوں محسوس ہوگا کہ حقیقی آنکھ سے دیکھ رہے ہوں ۔''

مؤلف نے یہ تمام آیات منکرین رویت معتزلیوں کے موقف کی تردید میں پیش کی ہیں ۔پہلی آیت میں نظر کا صلہ 'الی' ہے جس کا مطلب ہے آنکھ سے دیکھنا۔ کہتے ہیں ''نظرت الیہ وأبصرتہ'' اور آیت میں نظر کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔

رہا معتزلی حضرات آیت کریمہ ''الی ربھا ناظرۃ'' کے سلسلے میں یہ تکلف کہ وہ ''ناظرۃ'' کو ''منتظرۃ'' اور حرف ''الیٰ'' کو نعمت کے معنی میں لیتے ہیں ،اوراس کی تقدیر یوں بیان کرتے ہیں '' ثواب ربھا منتظرۃ '' یعنی اس کے رب کے ثواب کا انتظار کیا جاتا ہے۔ یہ تو ایک مضحکہ خیز تفسیر ہے!

دوسری آیت سے اس بات کا علم ہورہا ہے کہ اہل جنت اپنے تختوں پر بیٹھے ہوئے اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے۔

آخری دوآیتوں میں مذکورہ لفظ ''الزیادۃ '' کی تفسیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث میں اللہ تعالیٰ کے چہرے کی طرف دیکھنے سے کی گئی ہے۔اس کی مزید تائید اللہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو کافروں کے بارے میں ہے: ﴿کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون﴾ ''ہرگز نہیں وہ لوگ اپنے رب کی دید سے اس دن روک دیئے جائیں گے۔'' (المطففین:۱۵)

کفار اللہ کو نہ دیکھ سکیں گے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے نیک بندے اسے دیکھیں گے۔محدثین کے نزدیک اس معنی میں رویت پر دلالت کرنے والی بہت سی متواتر حدیثیں وارد ہیں ان کا انکار وہی کرسکتا ہے جو ملحد وزندیق ہوگا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عدم رؤیت کے سلسلے میں رہی معتزلہ کی پہلی دلیل ﴿لاتدرکه الأبصار﴾ تو اس آیت میں ان کے لئے کوئی دلیل ہی نہیں کیونکہ ادراک کی نفی سے رویت کی نفی لازم نہیں آتی۔ بلکہ آیت کا مقصود یہ ہے کہ نگاہیں اسے دیکھیں گی لیکن باعتبار رویت اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں، جیسا کہ عقلیں اس کو جانتی ہیں لیکن باعتبار علم اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں کیوں کہ ادراک نام ہے اس رؤیت کا جو مکمل استیعاب واحاطے کے ساتھ ہو، اور یہ ایک خاص قسم کی رویت ہے، خاص رؤیت کی نفی سے عام رویت کی نفی لازم نہیں آتی۔ اسی طرح عدم رویت کے سلسلے میں ان کی دوسری دلیل "لن ترانی" بھی ان کے موقف کی دلیل نہیں بن سکتی بلکہ یہ آیت تو مختلف ناحیوں سے اثبات رویت کی دلیل بن رہی ہے: مثلاً

١...... رؤیت کا سوال موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہوا ہے جو کہ اللہ کے رسول اور اس کے کلیم ہیں، اللہ کے بارے میں کیا چیز محال یا ناممکن ہے معتزلہ کے مقابلے میں وہ زیادہ علم رکھتے تھے، اگر رویت ممتنع ومحال ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام اس کا سوال ہی نہ کرتے۔

٢...... اللہ تعالیٰ نے اپنی رویت کو بحالت تجلی استقرار جبل پر معلق کیا اور یہ ممکن امر ہے، اور ممکن پر معلق چیز ممکن ہوگی۔

٣...... اللہ تعالیٰ نے عملی طور پر جب ایک پہاڑ پر اپنی تجلی ظاہر کردی جو کہ ایک جماد ہے تو اس کے محبوب اور مخلص بندوں پر اس کی تجلی ورویت کیسے ناممکن ہوسکتی ہے۔

جہاں تک معتزلہ کے اس قول وخیال کا تعلق ہے کہ "لن ترانی" میں "لن" نفی تاکید کے لئے موضوع ہے جو کہ عدم وقوع رؤیت پر دلالت کرتا ہے تو ان کا یہ خیال لغت کے سلسلے میں ایک بڑا جھوٹ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے بارے میں کہا:

﴿ولن یتمنوہ أبدا﴾ "اور وہ لوگ اس (موت) کی تمنا کبھی بھی نہ کریں گے۔" (البقرۃ:٩٥)

پھر انہیں کے بارے میں یہ فرمایا کہ:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ونادوا یامالک لیقض علینا ربک﴾ ''اور وہ پکاریں گے اے مالک! تیرا رب ہمیں ختم کر دے۔'' (الزخرف:۷۷)

چنانچہ پہلے تو حرف ''لن'' کے ذریعے اس بات کی خبر دی کہ وہ لوگ موت کی تمنا نہیں کریں گے پھر دوسری آیت میں ان کے موت کی تمنا وخواہش کرنے کی خبر دی جب کہ وہ جہنم میں ہونگے۔

''لن ترانی'' کا مفہوم یہ ہے کہ تم مجھے دنیا میں دیکھ نہیں سکتے کیوں کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے لئے انسان کی آنکھیں کمزور ہیں، اگر اس کی رؤیت بذات خود ممتنع اور ناممکن ہوتی تو اللہ تعالیٰ یہ کہتا:

''انی لااُریٰ'' کہ مجھے دیکھا نہیں جا سکتا، یا ''لایجوز رؤیتی'' کہ مجھے دیکھنا جائز نہیں، یا ''لست بمرئی'' کہ میں مرئی نہیں ہوں، وغیرہ وغیرہ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آیاتِ صفات کے سلسلے میں عام مباحث

مؤلفؒ کی بیان کردہ آیاتِ صفات میں غور وفکر کرنے والے ان میں سے چند ایسے اہم اصول اخذ کرسکتے ہیں جنہیں صفات کے باب میں مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

اصول اول: سلف اس بات پر متفق ہیں کہ تمام اسمائے حسنیٰ، ان سے ثابت ہونے والی صفات اوران صفات کے نتیجے میں صادر شدہ افعال پر ایمان لانا واجب ہے، اس کی مثال سمجھنے کے لئے "القدرة" کو لے لیجئے، اس بات پر ایمان لانا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اس کے کمال قدرت پر ایمان نیز اس بات پر بھی ایمان رکھنا واجب اور ضروری ہے کہ پوری کائنات اسی کے قدرت کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے، اسی طرح اسی طرز واصول پر بقیہ تمام اسمائے حسنیٰ۔

اسی اصول کی بنیاد پر مصنفؒ کی بیان کردہ جن آیات میں اسمائے حسنیٰ کا ذکر ہے تو وہ ایمان بالاسم میں داخل ہیں، اور جن میں صفات کا ذکر ہے مثلاً اللہ کی عزت وقدرت اس کے علم وحکمت اور ارادہ ومشیت کا تذکرہ ہے تو وہ ''ایمان بالصفات'' میں داخل ہیں اور جن آیات میں مقید یا مطلق افعال کا ذکر ہے۔ مثلاً: **یعلم کذا ویحکم مایرید، یریٰ ویسمع، ینادی ویناجی، کلم ویکلم** وغیرہ تو یہ تمام ''ایمان بالافعال'' میں داخل ہیں۔

اصول دوم: یہ تمام قرآنی نصوص اس بات کی وضاحت کررہی ہیں کہ صفات الٰہیہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) صفات ذاتی:...... ان صفات سے اللہ کی ذات الگ نہیں، بلکہ ازلی وابدی طور سے اس کی ذات سے وابستہ ہیں ان سے اللہ کی مشیت وقدرت کا تعلق نہیں ہے، صفات ذاتیہ میں سے چند یہ ہیں: حیات، علم، قدرت، عزت، ملک، عظمت وکبریائی اور مجد وجلال وغیرہ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) صفات فعلی:...... یہ تمام صفات ہر وقت و ہر آن اللہ کی مشیت وقدرت سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کی مشیت اور اس کی قدرت کے مطابق فعل سے تعلق رکھنے والی ہر صفت کے اندر حدوث واقع ہوتا ہے اگر چہ کہ وہ ان صفات سے ازلی طور پر متصف ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اس کی نوع قدیم ہے اور اس کے افراد حادث ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ازل سے ہی ''فعال لما یرید'' یعنی جو چاہے کرنے والا ہے۔ نیز وہ ہمیشہ سے ہی گفتگو کرنے والا، کلام کرنے والا، تخلیق کرنے والا اور معاملات کا انتظام کرنے والا رہا ہے اور ہمیشہ ان افعال کو انجام دیتا رہے گا۔ اس کے افعال اس کی حکمت وارادے کے تابع ہو کر مسلسل وقوع پذیر ہیں، چنانچہ ایک مومن پر یہ واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے متعلق جو افعال بھی اپنی طرف منسوب کیا ہے ان تمام پر ایمان لائے۔ مثلاً استوا علی العرش، اتیان ومجی، آسمان دنیا کی طرف نزول، ضحک، رضا، غضب، کراہیت اور محبت وغیرہ۔ نیز افعال پر بھی جو اس کی مخلوقات سے متعلق ہیں۔ مثلاً خلق، رزق، زندہ کرنا، موت دینا اور انتظام وتدبیر کی مختلف قسمیں۔

اصول سوم: ہر کمالی صفت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے تفرد اور اس کی انفرادیت ثابت کرنا اور اس حقیقت کا اثبات کہ ان صفات میں اس کا کوئی شریک یا مثیل نہیں ہے، سابقہ آیات میں صرف اسی کے لئے اعلیٰ مثالوں کا اثبات نیز ند، مثل، کفو، مسمی اور اس کے ساتھ کسی کے شریک ہونے کی نفی کے سلسلے میں جو کچھ بھی وارد ہوا ہے اسی اصول کی طرف اشارہ کرتا ہے، ساتھ ہی ساتھ اس امر کی شہادت بھی ملتی ہے کہ وہ ہر قسم کے نقص وعیب اور آفت سے منزہ اور پاک ہے۔

اصول چہارم: ہر اس صفت کا اثبات جو کتاب وسنت میں وارد ہوئی ہے۔ خواہ وہ صفات ذاتی ہوں مثلاً: علم، قدرت، ارادہ، حیات، سمع وبصر وغیرہ۔ یا فعلی مثلاً: رضا، محبت، غضب اور کراہت ان کے مابین کسی قسم کی تفریق یا فرق نہیں کیا جا سکتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیز وجہ (چہرہ) یدین (دو ہاتھ) کے اثبات اور استواء علی العرش ونزول کے مابین کسی قسم کی تفریق نہیں۔ ان تمام صفات کا تعلق ان امور سے ہے جن کے بلا تاویل وتعطیل اور بلا تشبیہ وتمثیل اثبات پر سلف متفق ہیں۔ دو فریق ان اصولوں وقوانین کے مخالف ہیں:

(۱) جہمیہ: یہ لوگ تمام کے تمام اسماء وصفات کے منکر ہیں۔

(۲) معتزلہ: یہ لوگ تمام صفات کی نفی کرتے ہیں اور اسماء واحکام کو ثابت کرتے ہیں چنانچہ ان کے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ علیم ہے مگر بلا علم کے، قدیر ہے لیکن بغیر قدرت کے، حی یعنی زندہ ہے لیکن بغیر حیات کے، یہ خیال انتہائی فاسد ہے کیونکہ بغیر کسی صفت کے موصوف کا اثبات، اور معنی وصفی کے لئے موضوع شئی کو ذاتِ مجرد کے لئے ثابت کرنا عقل میں آنے والی بات نہیں۔ اور ساتھ ہی شریعت کی نظر بھی باطل ہے۔

اشعری حضرات اور ان کے متبعین صرف سات صفات کو ثابت کرنے میں اہل سنت کے ساتھ ہیں، اور ان سات صفات کو صفات معانی سے موسوم کرتے ہیں جنہیں عقلی طور پر ثابت کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ صفات یہ ہیں:

حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔

لیکن ان سات صفات کے علاوہ ان تمام صفات کا انکار کر کے جو کتاب وسنت سے ثابت ہیں معتزلہ کے ساتھ ہو گئے ہیں۔

مختلف نقطۂ نظر کے حامل تمام فریق اپنے موقف کے اثبات کے لئے کتاب وسنت، اجماع صحابہ اور قرون مفضلہ سے دلیل لیتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سنت نبوی سے اسماء وصفات کا اثبات

ثم فی سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم. فالسنة تفسیر القرآن تبینه وتدل علیه وتعبر عنه، وماوصف الرسول به ربه عزوجل من الأحادیث الصحاح التی تلقاها أهل المعرفة بالقبول وجب الایمان بها کذالک.

مصنف کا قول ﴿ثم فی سنة رسول الله ......الخ﴾ گذشتہ عبارت ﴿وقد دخل فی هذه الجملة ماوصف الله به نفسه فی سورة الاخلاص ......الخ﴾ پر عطف ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ جملہ ایمانیاتی امور میں سنت صحیحہ سے ثابت شدہ وہ تمام صفات بھی داخل ہیں جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو متصف بتایا ہے۔

سنت: یہ کتاب اللہ کے بعد شریعت کا دوسرا مآخذ ہے جس کی طرف رجوع کرنا اور جس پر اعتماد کرنا واجب اور ضروری ہے۔ قرآن میں ہے:

﴿وأنزل الله علیک الکتاب والحکمة﴾ ''اور اللہ نے تم پر (اے نبی) کتاب وحکمت اتاری ہے۔'' (النساء:۱۱۳) حکمت سے مراد سنت ہے۔ دوسری جگہ ہے:

﴿ویعلمهم الکتاب والحکمة﴾ ''اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔'' (آل عمران:۱۶۴) اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عورتوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿واذکرن مایتلیٰ فی بیوتکن من آیات الله والحکمة﴾ ''اور تمہارے گھروں میں جن آیتوں اور حکمت کی تلاوت کی جاتی ہے انہیں یاد رکھو۔''
(الاحزاب:۳۴)

﴿وما آتاکم الرسول فخذوه ومانهاکم عنه فانتهوا﴾ (الحشر:۷)
''اور رسول تمہیں جو کچھ دیں اسے لے لو، اور جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "الا انی أوتیت القرآن و مثله معه" مجھے قرآن کریم اور اس کے ساتھ اسی کے مثل ایک اور چیز عنایت کی گئی ہے۔

سنت کا حکم: علم ویقین، اعتقاد وعمل کے ثبوت کے اعتبار سے اس کا حکم قرآن کے حکم کی طرح ہے۔ کیونکہ سنت قرآن کی توضیح ہے۔ اسکے ذریعے اس کے مراد کی وضاحت، اس کے اجمال کی تفصیل، مطلق کی تقیید اور اس کے عموم کی تخصیص ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿و أنزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیهم﴾. (النحل: ۴۴)

"اورہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کے لئے ان احکامات کو واضح کردیں جوان کی طرف (قرآن کی شکل میں) نازل کئے گئے۔"

سنت صحیحہ کے مقابلہ میں اہل بدعت کے دوفریق ہیں:

۱ .. پہلا فریق وہ ہے جو احادیث کے رد اور اس کے انکار کرنے میں احتراز نہیں برتتا، جب بھی کوئی حدیث اس کے مذہب ومسلک کے خلاف جاتی ہے تو اپنے اس دعوے کی بنیاد پر کہ "یہ خبر واحد ہے جو صرف ظن کا فائدہ دیتی ہے" اسے رد کر دیتا ہے، البتہ صرف اعتقاد کے باب میں خبر واحد ان کے مسلک کے مطابق یقین کا فائدہ دیتی ہے، اس خیال کے لوگ معتزلہ اور فلاسفہ ہیں۔

۲... دوسرا فریق وہ ہے جو احادیث کو تسلیم کرتا ہے اور صحت نقل پر اعتقاد رکھتا ہے لیکن ان کی اسی طرح تاویل کرتا ہے جس طرح قرآنی آیات کی تاویل کر کے انہیں اس کے ظاہری مفہوم سے پھیر کر اس میں الحاد وتحریف کے ذریعے اپنے من موافق مفہوم مراد لیتا ہے۔ ایسا کرنے والے اشاعرہ کے متأخرین ہیں، اس سلسلے میں غزالی اور رازی تو ان میں سب سے آگے بڑھے ہوئے ہیں۔

مصنف کا قول و ماوصف الرسول به ربه عزوجل .....الخ کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح ہر اس صفت پر جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے اندر بیان کیا ہے، بغیر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی تحریف و تعطیل اور بغیر کسی تکییف و تمثیل کے ایمان لانا واجب ہے بالکل ویسے ہی اس کی ہر اس صفت پر بھی ایمان رکھنا واجب اور ضروری ہے جسے اپنے رب کے بارے میں اور اس کی واجبی صفات کے بارے میں سب سے زیادہ جاننے والے شخص نے ثابت کیا ہے، اور وہ شخص ہے اس کا صادق ومصدوق رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

مصنف "کذالک" کے لفظ سے یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ احادیث سے ثابت شدہ صفات پر بالکل ایسے ہی ایمان رکھا جائے جیسے قرآن سے ثابت شدہ صفات پر ایمان لانا واجب ہے۔ یعنی تحریف و تعطیل اور تکییف و تمثیل سے بچتے ہوئے۔ بلکہ ان پر اس طریقے سے ایمان رکھا جائے جو اللہ رب العزت کی عظمت کے مناسب ہو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سماء دنیا پر باری تعالیٰ کا نزول

فمن ذلک مثل قوله صلی الله علیه وسلم: ”ینزل ربنا الی السماء الدنیا کل لیلة حین یبقیٰ ثلث اللیل الآخر، فیقول: من یدعونی فأستجیب له؟ من یسألنی فأعطیه؟ من یستغفرنی فأغفرله“ متفق علیه.

اس حدیث پر گفتگو کے دو پہلو ہیں:

۱..... باعتبار نقل اس حدیث کی صحت پر گفتگو: مؤلفؒ نے یہاں یہ بات ذکر کیا کہ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ ذہبی نے اپنی کتاب ”العلو للعلی الغفار“ میں فرماتے ہیں کہ:

> ”باری تعالیٰ کے سماء دنیا پر نزول کے سلسلے میں مروی احادیث متواتر اور قطعی الثبوت ہیں، بنابریں انکار و جحود کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔“

۲..... گفتگو باعتبار مفہوم حدیث: اس حدیث میں آپ نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات جب رات کا آخری ایک تہائی حصہ رہ جاتا ہے تو آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ نزول اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی صفت ہے جو اس کے جلال اور اس کی عظمت کے شایان شان ہے۔ چنانچہ جس طرح اس کا استواء کسی مخلوق کے استوی کے مماثل نہیں اسی طرح اس کا نزول بھی مخلوقات کے نزول کے مشابہ نہیں ہے۔

سورۂ اخلاص کی تفسیر میں شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں:

> ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ واضح کر دیا کہ وہ ہر رات آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے۔ عرفہ کی شام حجاج کے قریب ہوتا ہے، اس نے درخت کے ایک مبارک حصے سے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا، وہ آسمان کی طرف بلند ہوا اس حال میں کہ آسمان مثل دھویں کے تھا، پھر اس نے آسمان و زمین دونوں کو حکم دیا کہ ”تم دونوں طوعاً و کرھاً چلے آؤ“ ان تمام امور کو تسلیم کرنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ ان افعال کا تعلق انہیں ظاہری اشیاء سے
ہو جن کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں، حتی کہ یہ سمجھا جائے کہ اس سے ایک
مقام کے خالی کرنے اور دوسرے کے بھرنے کی بات لازم آتی ہے"۔

اہل سنت والجماعت صفت نزول پر ایمان رکھتے ہوئے اسے اللہ کی حقیقی صفت تسلیم کرتے ہیں، ایک ایسی صفت جس کی کیفیت اس کی منشاء کے مطابق ہوگی۔ چنانچہ صفت نزول کو ایسے ہی ثابت مانتے ہیں جیسے کہ ان تمام صفات کو جن کا ذکر کتاب وسنت میں موجود ہے۔ اور یہ لوگ اپنے اسی موقف پر قائم اور ثابت قدم بھی ہیں نہ تو اس صفت کی کیفیت متعین کرتے ہیں اور نہ ہی مثال اور نہ ہی اس کی نفی کرتے ہیں اور نہ تعطیل، اپنے موقف کا اظہار ان لفظوں میں کرتے ہیں کہ ہمارے رسول نے اللہ کے متعلق یہ خبر دی ہے کہ وہ نزول فرماتا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ کیسے نزول فرماتا ہے، ہم تو بس اتنا جانتے ہیں کہ وہ جو چاہے کرنے والا اور ہر شئ پر قادر ہے۔

اسی لئے ہم خاص اور مومن بندوں کو اس عظمت والے وقت میں اپنے رب کی مہربانیوں اور اس کی نوازشوں کی طلب میں لگے ہوئے دیکھتے ہیں، چنانچہ یہ لوگ نہایت ہی خشوع وخضوع کے ساتھ اس سے دعا کرتے ہوئے، گڑگڑاتے ہوئے اور اس سے اپنے مطالبات کی امید کرتے ہوئے اس کی بندگی وعبادت کے لئے کھڑے رہتے ہیں جن کا اس نے اپنے رسول کے زبانی ان سے وعدہ کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صفت فرح

وقوله صلى الله عليه وسلم :لله أشد فرحابتوبة عبده المؤمن التائب من أحدكم براحلته'' (الحديث. متفق عليه)

بخاری وغیرہ میں یہ حدیث پوری اس طرح آئی ہے:

''اللہ اپنے بندے کی توبہ کے سبب اس شخص سے کہیں زیادہ خوش ہوتا ہے جو کسی بیابان جنگل میں ہو اس کے ساتھ اس کی سواری بھی ہو جس پر اس کے کھانے پینے کا سامان بھی موجود ہو، پھر وہ بغرض آرام سواری سے اترے اور سو جائے جب کہ سواری اس کے سر کے پاس موجود ہو، پھر جب بیدار ہو کر دیکھے تو سواری ہاتھ سے جا چکی ہو، تلاش بسیار کے بعد بھی کوئی کامیابی نہ ملے یہاں تک کہ شدت پیاس سے اس کی جان پر بن آئے تو کہنے لگے: ''واللہ! اب تو میں وہیں لوٹ جاؤں گا جہاں میری سواری تھی اب سوائے موت کے کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے'' چنانچہ وہ واپس آ کر سو جائے اور جب بیدار ہو تو دیکھے کہ اس کی سواری اس کے سر کے پاس ہی موجود ہے۔ یہ دیکھ کر کہے: ''اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں۔'' فرط خوشی میں غلطی کر جائے۔''

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لئے صفت فرح ثابت کی گئی ہے۔ اس کی دیگر تمام صفات کی طرح یہ بھی اس کی ایک حقیقی صفت ہے جو اس کے مرتبے اور شان کے مطابق ہے۔ اس کی مشیت وقدرت کے تابع فعلی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس صفت فرح کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب اس کے کسی بندے کی طرف سے اس کے حضور میں توبہ اور توجہ وانابت کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے تائب بندے سے رضامندی اور اس کے قبولیت توبہ کی دلیل ہے۔ اور جب فرح کی نسبت مخلوق کی طرف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتو اس صورت میں اس کے مختلف معانی ہوں گے۔ چنانچہ کبھی فرح سے خفت وسرور اور مستی کی سی کیفیت مراد ہوتی ہے تو کبھی اس سے مراد تکبر کرنے اور اترانے کی کیفیت ہوتی ہے۔ اور اللہ کی ذات ان تمام کیفیتوں سے منزہ اور پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت فرح اس کی مخلوق کے کسی فرد کی صفت فرح کے مشابہ نہیں ہے۔ نہ تو ذات فرح میں نہ اس کے اسباب میں اور نہ ہی اس کے مقاصد میں۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے خوش ہونے کا سبب ہے اس کی کمال رحمت اور اس کا احسان جس کے لئے وہ اپنے بندوں سے چاہتا ہے کہ انہیں اس سے طلب کریں۔ اور اس کا مقصد ہے اس کے دربار میں توبہ ورجوع کرنے والے بندوں پر اس کی نعمت کا اتمام۔

اللہ کی صفت فرح کی تفسیر اگر اس کے لازمی معنی یعنی رضا سے اور رضا کی تفسیر ارادۂ ثواب سے کی جائے تو یہ اللہ کی صفت فرح اور رضا کا انکار اور اس کی تعطیل ہے۔ اور یہ انکار و تعطیل لازمی نتیجہ ہے ''معطلہ'' کے اپنے رب کے بارے میں سوء ظن کا، ان کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ان تمام صفات کو ثابت کرنے کی صورت میں یہ تمام معانی اس کی ذات پر بالکل ایسی کیفیت میں صادق آئیں گے جس کیفیت میں مخلوقات پر صادق آتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ بلند و برتر ہے ان کی تشبیہ و تعطیل سے!

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صفت ضحک

وقوله صلى الله عليه وسلم: يضحك الله الى رجلين يقتل احدهما الآخر، وكلاهما يدخل الجنة. (متفق عليه)

اہل سنت والجماعت صفت ضحک (ہنسے) کو اللہ رب العزت کے لئے ثابت مانتے ہیں جیسا کہ اس حدیث میں اور دوسری احادیث میں ثابت ہوتا ہے۔ اور بالکل اسی مفہوم میں تسلیم کرتے ہیں جو اس کی ذات کے لائق اور اس کے مناسب ہے یعنی اس کی یہ صفت مخلوق کے اندران پر فرح وطرب کے غلبے کے وقت پائی جانے والی صفت ضحک کے مشابہ نہیں ہے بلکہ اس کی یہ صفت اس کی ذات میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اس کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ صفت صرف اس کی مشیت وحکمت کے ماتحت ہی ظاہر ہوتی ہے۔ اور مخلوق میں صفت ضحک کا صدور اس وقت ہوتا ہے جب کوئی ایسا عجیب وغریب معاملہ درپیش ہو جس کی پہلے سے کوئی نظیر موجود نہ ہو، اور یہ صورت حال اس حدیث میں بھی مذکور ہے۔ کوئی کافر کسی مسلمان پر مسلط ہو کر اگر قتل کردے تو ظاہر ہے کہ کافر کا یہ عمل اس پر اللہ کی سخت ناراضگی وغضب اور آخرت میں گرفت وذلت کا سبب ہے، لیکن اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ اس کافر کو توبہ کی توفیق دیکر اس پر احسان کردے اور اسے اسلام میں داخل ہونے کی بھی ہدایت دے دے، پھر وہ فی سبیل اللہ جہاد کرتے ہوئے شہید ہو جائے اور دخول جنت کا مستحق بن جائے تو واقعی یہ قابل تعجب بات ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی کمال رحمت اس کا احسان اور بندوں پر اس کا بے پایاں فضل وکرم ہی ہے کہ ایک مسلمان اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے تو اسے ایک کافر قتل کردیتا ہے، اللہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعالیٰ اس مسلمان پر اپنا فضل اور احسان کر کے شہادت کا درجہ عطا کر دیتا ہے لیکن پھر اس کافر پر بھی اس کا احسان ہوتا ہے، اسے اسلام قبول کرنے کی توفیق دیتا ہے، پھر وہ اس کی راہ میں شہید ہو جاتا ہے۔ چنانچہ پھر وہ دونوں ایک ساتھ ہی جنت میں داخل ہو جاتے ہیں۔

اللہ کی اس صفت ضحک کی یہ تفسیر کرنا کہ اس سے مراد اس کی رضا مندی یا اس کی قبولیت ہے یا اس سے یہ سمجھنا کہ ''اللہ تعالیٰ ہنستا ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شئ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسی کنڈیشن اور حالت تک پہونچ گئی جس سے ہنسی آ جائے، اللہ کا حقیقی طور پر ہنسنا مقصود نہیں ہے تو یہ اس صفت کا انکار ہے جسے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلیم کیا ہے۔ لہٰذا ایسے اقوال وآراء کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاسکتی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صفت عجب

وقولہ: ''عجب ربنا من قنوط عبادہ وقرب خیرہ. ینظر الیکم أزلین قنطین فیظل یضحک یعلم أن فرجکم قریب''. (حدیث حسن)

یہ حدیث اللہ رب العالمین کے لئے عجب یعنی کسی شئ پر تعجب کرنے کی صفت کو ثابت کررہی ہے اس کا ہم معنیٰ آپ کا یہ قول بھی ہے ''عجب ربک من شاب لیس لہ صبوۃ'' ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ''الصافات'' کی آیت کریمہ (نمبر۱۲) ''بل عجبت ویسخرون'' پڑھی ہے یعنی تا کے ضمہ واحد متکلم کے صیغے کے ساتھ۔

اللہ تعالیٰ کا تعجب اسباب کے خفاء یا حقیقت اشیاء سے ناواقفیت کے نتیجہ میں پیدا شدہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک معنی ہے جو اس کی مشیت اور اس کی قدرت کے تقاضے کی بنیاد پر اس معنی کے تقاضہ کرنے والے عوامل کے وجود کے وقت اس کی ذات میں پیدا ہوتا ہے یعنی ایک ایسی شئ کا وجود جو قابل تعجب ہو۔

اور یہ تعجب کا وصف جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو متصف مانا ہے یہاں یہ اس کی رحمت کے آثار میں سے ایک ہے نیز یہ اس کے کمال میں سے ہے چنانچہ جب بارش بندوں سے ان کی تہی دستی اور شدید طلب کے باوجود رک جائے اور ان پر مایوسی و ناامیدی چھا جائے، ان کی نظریں صرف ظاہری اسباب تک محدود ہو کر رہ جائیں اور لوگ یہ خیال کرنے لگیں کہ اب اس کے بعد کوئی راحت نصیب نہ ہوگی، تو اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر تعجب کا اظہار کرتا ہے۔

یہ واقعی قابل تعجب صورت حال ہے کہ یہ لوگ کیسے مایوس و ناامید ہو بیٹھے جب کہ اس کی رحمت ہر شئ پر وسیع ہے نیز اس کے حصول کے اسباب بھی بے شمار ہیں۔ بندوں کی ضرورتیں اور ان کی حاجتیں خود اس کی رحمت کے اسباب میں شمار ہوتی ہیں نیز حصول بارش کے لئے دعا اور اس سے اس کی امید و توقع بھی اس کی رحمت کے اسباب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں سے ہیں، مخلوقات کے سلسلے میں اس کا یہ اصول بھی رہا ہے کہ مصیبت کے ساتھ راحت اور تنگی کے ساتھ آسانی ملی ہوئی ہے اور شدت ومصیبت ہمیشہ رہتی بھی نہیں ہے چنانچہ اس کے ساتھ جب التجاء ودرخواست کی قوت اور اس کے فضل کی طمع وطلب اور اس کے دربار میں اظہار عجز اور دعا شامل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت کے خزانے کھول دیتا ہے جو خواب وخیال میں بھی نہیں ہوتے۔

قنوط قنط کا مصدر ہے اس کا معنی ہے اللہ کی رحمت سے مایوسی۔ قرآن میں ہے:

﴿ومن یقنط من رحمة ربه الا الضالون﴾ (الحجر ۵۶)

''اپنے رب کی رحمت سے مایوس گمراہ لوگ ہی ہوتے ہیں۔''

حدیث میں آپ کے فرمان ''وقرب خیرہ'' سے مراد اللہ کی رحمت اور اس کا فضل ہے۔ ایک دوسری روایت میں یہی لفظ ''غیـــرہ'' مروی ہے۔ غیر ایک اسم ہے جو ''غیر الشیئ فتغیر'' سے مشتق ہے۔

حدیث استسقاء میں مذکور ہے ''من یکفر باللہ یلق الغیر'' یعنی جو اللہ کے ساتھ کفر کرے گا تو اس کی حالت غیر ہو جائے گی، وہ صلاح وخیر سے ہٹ کر فساد میں مبتلا ہو جائے گا۔

حدیث کے اندر مذکور دو لفظ ''ازلین قنطین'' ایکم کی ضمیر مجرور سے حال واقع ہیں، ازلین آزل سے اسم فاعل کی جمع ''الازل'' سے مشتق ہے جس کا معنی ہے'' شدت وتنگی'' کہتے ہیں ''أزل الرجل یأزل أزلا باب سمع'' یعنی تنگی وسختی میں مبتلا ہوا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اثبات رجل وقدم

وقوله صلى الله عليه وسلم "لاتزال جهنم يلقى فيها وهي تقول هل من مزيد؟حتى يضع رب العزة فيها رجله". وفي رواية "عليها قدمهٗ فينزوي بعضها الى بعض فتقول:قط قط". (متفق عليه)

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لئے رجل (پیر) اور قدم کو ثابت کیا گیا ہے، بقیہ صفات کی طرح یہ بھی اس کی ایک صفت ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی عظمت کے لائق ومناسب ہی یہ صفت ثابت کی جائے گی۔

جہنم کے اندر اللہ تعالیٰ کے قدم رکھنے کی حکمت یہ ہے کہ اس نے یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ جہنم کو پر کردے گا، جیسا کہ قرآن میں ہے: ﴿لأملئن جهنم من الجنة والناس اجمعين﴾ "میں جہنم کو جنوں اور انسانوں تمام سے بھر دوں گا" (السجدۃ:۱۳)

چونکہ اللہ تعالیٰ کے عدل اور اس کی رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ کسی بے گناہ کو عذاب نہ دے، جب کہ جہنم کا حال یہ ہے کہ وہ بہت گہری وکشادہ ہے چنانچہ اس کے پر کرنے کی غرض سے وہ اس میں اپنا قدم رکھ دے گا، اس وقت جہنم کے دونوں کنارے باہم مل جائیں گے اور اہل دوزخ کے لئے فاضل جگہ نہ رہ جائے گی، جہاں تک جنت کا سوال ہے تو ان پر بہت ساری نوازشوں کے باوجود اس میں بہت ساری جگہیں خالی رہ جائیں گی تو اس وقت اللہ تعالیٰ ایک نئی مخلوق پیدا فرما کر بسادے گا جیسا کہ حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اثبات قول، ندااور کلام

وقـولـه: "يقول تعالىٰ : یاآدم ،فیقول لبیک وسعدیک فینادی بصوت ان اللہ یأمرک أن تخرج من ذریتک بعثاً الی النار (متفق علیه)
وقوله:" مامنکم من أحد الاسیکلمه ربه ولیس بینه وبینه ترجمان."

ان دونوں احادیث میں اللہ تعالیٰ کے لئے قول، ندا اور تکلیم (بات کرنا) کا اثبات ہوا ہے، ہم اس سلسلے میں اہل سنت والجماعت کے موقف کو واضح کر چکے ہیں کہ ان کا ایمان یہ ہے کہ یہ سب اس کی فعلی صفات ہیں جو اس کی مشیئت اوراس کی حکمت کے تابع ہیں، ماضی میں بھی اس کی جانب سے قول ندااور کلام کا صدور ہوا ہے اور حال میں بھی ہورہا ہے اور مستقبل میں بھی ہوگا، خواہ اس کا قول ہو، ندا ہو یا کلام یہ سب کے سب حروف واصوات کے ساتھ ہیں جنہیں مخاطب سنتا ہے۔

اس حدیث میں اشاعرہ کے اس نقطۂ نظر کی تردید ہے کہ اس کا کلام قدیم ہے جو بلاصوت وآواز ہے،

دوسری حدیث اس بات کی صراحت کررہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں سے بغیر کسی واسطے کے کلام کرے گا، اوراس کا کلام کرنا عام ہوگا کیونکہ یہ لوگوں کے محاسبے کے لئے ہوگا، مومن، کافر، فاسق وفاجر سب اس میں داخل ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے اس قول "لایکلمھم اللہ" یعنی اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں کرے گا۔ کی مخالفت نہیں ہورہی ہے کیونکہ اس آیت میں جس کلام وگفتگو کی نفی کی گئی ہے وہ خوشی ورضامندی کی حالت میں ہونے والی گفتگو ہے۔ اور یہ ایک خاص قسم کی گفتگو ہے اس کے مقابلہ میں وہ گفتگو وکلام ہے جو اللہ تعالیٰ جنتیوں سے کرے گا یہ گفتگو محبت ورضامندی اوراحسان پرمبنی ہوگی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صفت علو کا بیان

وقوله في رقية المريض: ''ربنا الذي في السماء تقدس اسمك، أمرك في السماء والأرض كما رحمتك في السماء، اجعل رحمتك في الأرض، اغفرلنا حوبنا وخطايانا، انت رب الطيبين، أنزل رحمة من رحمتك وشفاء من شفائك على هذالوجع فيبرأ'' (حديث حسن، رواه ابوداؤد وغيره).

وقوله: ''ألا تأمنوني وأنا امين في السماء'' (حديث صحيح)

وقوله: ''والعرش فوق الماء والله فوق العرش وهويعلم ما أنتم عليه'' (حديث حسن، رواه ابوداؤد وغيره)

وقوله للجارية: ''أين الله؟ قالت في السماء. قال: من أنا؟ قالت: أنت رسول الله. قال: اعتقهافانها مومنة.'' رواه مسلم.

پہلی حدیث اللہ تعالیٰ کے علو اور اس کی فوقیت کی صراحت کر رہی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے: ﴿أأمنتم من في السماء﴾ ''کیا تم اس ذات کی طرف سے مطمئن ہو گئے ہو جو آسمان میں ہے'' (الملک)

ہم پہلے ہی یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ ان نصوص کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ آسمان اللہ تعالیٰ کا ظرف ہے جو اسے سنبھالے ہوئے ہے بلکہ اس میں مذکور لفظ ''فی'' یا تو ''علی'' کے معنی میں ہے جیسا کہ بہت سے اہل علم اور اہل لغت کا خیال ہے، ''فی'' بمعنی ''علی'' بہت سی جگہوں میں استعمال ہوا ہے مثلاً قرآن کی ایک آیت ہے ﴿ولأصلبنكم في جذوع النخل﴾ ''اور کھجور کے تنوں پر تمہیں سولی دے دوں گا۔'' (طٰہٰ:۷۱) یا نصوص میں آسمان سے مراد جہت علو و بلندی ہے۔ ان دونوں ہی توجیہات کی بنیاد پر یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس کے مخلوق پر بلند ہونے کے سلسلے میں نص ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رقیہ والی حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ثنا، اس کی ربوبیت والوہیت اوراس کے اسماء کی تعظیم وتقدیس، تمام مخلوقات پر اس کی بلندی اور احکام شریعت وتقدیر سے متعلق تمام امور کے ذریعے اس کا وسیلہ وتقرب اختیار کرنے کا ذکر ہے۔ پھر اس کی اس رحمت کو بطور وسیلہ ذکر کیا گیا جو تمام اہل آسمان کے لئے عام ہے، اس میں اس سے یہ درخواست کی گئی ہے کہ اپنی اس مخصوص رحمت کا کچھ حصہ اہل زمین کو بھی عنایت کردے، پھر بڑے گناہوں سے مغفرت کا سوال پھر چھوٹے گناہوں سے مغفرت کا سوال کرکے اس کو وسیلۂ تقرب بنایا گیا۔ پھر اس کے نیک بندوں کے لئے اس کی خاص ربوبیت کو وسیلہ بنایا گیا ہے اوراس کے نیک بندے انبیاء کرام اوران کے وہ متبعین ہیں جن کی علامت یہ ہے کہ اس نے انہیں دین ودنیا کی ظاہری وباطنی نعمتوں سے مالا مال کر رکھا ہے۔

یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے حصول تقرب کے وسائل ہیں انہیں بطور وسیلہ اختیار کرنے والوں کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ آپ نے ان وسائل کو اختیار کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے اس شفا کی دعا فرمائی جو کہ صرف اسی کے لئے مختص ہے اس کی طرف سے ملنے والی یہ شفا کسی بھی مرض کو دور کئے بغیر نہیں چھوڑتی، نیز اس شفا میں غیر اللہ کا کوئی بھی دخل نہیں ہے۔

تو کیا ذات واشخاص اورحق وجاہ اورمرتبہ وغیرہ سے تقرب حاصل کرنے والے قبروں کے پجاری حضرات اس بات کو سمجھیں گے۔۔۔؟

رہی تیسری حدیث۔۔تو یہ اس جاریہ کے ایمان کے متعلق آپ کی شہادت پر مشتمل ہے جس نے اس بات کا اعتراف کرلیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات پر بلند ہے۔ اس سے یہ واضح ہورہا ہے کہ علو وبلندی کا وصف اللہ کا سب سے عظیم وبڑا وصف ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ یہاں حدیث جاریہ میں اللہ تعالیٰ کی اورتمام صفات کو چھوڑکر صرف اسی ایک وصف کے متعلق سوال ہے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہورہی ہے کہ ہرناحیے سے اس کے علو وبلند ہونے پر ایمان رکھنا ایمان کے بڑے اصولوں میں سے ایک ہے، اگر کسی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے انکار کردیا تو گویا وہ ایمان صحیح سے محروم ہوگیا۔

تعجب تو ان صفات کی نفی کرنے والے احمق معطلہ پر ہوتا ہے، جو خود کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس کے رسول سے بھی زیادہ جانکار سمجھ بیٹھے ہیں جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے متعلق لفظ ''این'' (کہاں ہے) سے سوال کرنے کی بھی ممانعت کردی، حالانکہ کئی مرتبہ بعینہ یہی لفظ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی استعمال کیا ہے۔ ایک مرتبہ کسی سے اللہ کے متعلق سوال کرتے وقت، جیسا کہ حدیث جاریہ میں مذکور ہے۔ اور دوسری مرتبہ اس شخص کے سوال کا جواب دیتے ہوئے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا ''أين كان ربنا؟'' کہ ہمارا رب کہاں تھا''۔

رہی دوسری حدیث ''والعرش فوق الماء'' تو اس میں اللہ تعالیٰ کے عرش پر بلند ہونے کے متعلق ایمان رکھنے اور تمام موجودات کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم کے وسیع ہونے پر ایمان رکھنے کا ذکر ہے، پاک و برتر ہے جو قریب ہوتے ہوئے بھی بلند اور بلند ہوتے ہوئے بھی قریب ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صفت معیت کا بیان

وقولہ: "أفضل الایمان أن تعلم أن اللہ معک حیثما کنت "(حدیث حسن)

اس حدیث میں رہنمائی یہ کی گئی ہے کہ احسان اور مراقبے کا مقام ہی افضل ایمان ہے، احسان کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اس تصور کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کرے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے، اس کے علم میں یہ بات بھی رہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ اس کے ساتھ ہے، چنانچہ وہ جو بھی گفتگو کرتا ہے، عملاً جو بھی فعل انجام دیتا ہے، یا جس کام میں بھی مشغول ہوتا ہے ہر حال میں اس کی نگرانی کرتے ہوئے اس کے ہر فعل سے واقف ہوتا ہے۔

قرآن میں ہے: ﴿وماتکون فی شأن وماتتلوا منہ من قرآن ولاتعملون من عمل الاکنا علیکم شھودا اذتفیضون فیہ﴾ "تم چاہے جس حال میں بھی رہو اور قرآن کا جو حصہ بھی تلاوت کرو اور لوگوں تم چاہے جو کام بھی کرو جب تم اس کی ابتدا کرتے ہو تو ہم تم سے باخبر رہتے ہیں۔" (سورہ یونس:٦١)

اس میں کوئی شک نہیں کہ بندہ جب تمام حالات میں اس معیت کے تصور کو مستحضر رکھتا ہے تو وہ شرم محسوس کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ایسے کام میں ملوث دیکھے جس سے اس نے اسے روکا ہو، یا کوئی ایسا عمل انجام نہ دے جس کا اس نے اسے حکم دیا ہو، چنانچہ یہ تصور محرمات سے بچنے اور طاعات کی طرف لپکنے میں کامل طور پر ظاہری وباطنی اعتبار سے معاون ثابت ہوتا ہے، بالخصوص بندہ جب نماز کی حالت میں ہو، جو کہ بندہ اور اس کے رب کے مابین تعلق ومناجات کا سب سے بڑا وسیلہ ہے۔ چنانچہ اس حالت میں بالکلیہ اپنے دل کو اس طرف مائل کر لیتا ہے اس کے سامنے اس کی عظمت وجلال کا تصور اس قدر گہرا ہوتا ہے کہ اسے اپنی حرکات وسکنات پر بھی حد درجہ کنٹرول ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اپنے دائیں بائیں جانب تھوک کر بھی اپنے رب کی بےادبی نہیں ہونے دیتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقوله : "اذا قام أحدكم الى الصلاة فلايبصقن قبل وجهه ولا عن يمينه فان الله قبل وجهه، ولكن عن يساره أوتحت قدمه." (متفق عليه)

اس حدیث سے یہ علم ہوتا ہے کہ بحالت نماز اللہ تعالیٰ مصلی کے سامنے ہوتا ہے۔ شیخ الاسلام ''العقیدۃ الحمویۃ'' میں لکھتے ہیں:

''یہ حدیث اپنے ظاہری معنی کے اعتبار سے صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے اوپر اور مصلی کے سامنے بھی ہے، یہ ایک ایسا وصف ہے جو مخلوق کے اندر بھی موجود ہے کوئی بھی انسان اگر آسمان و شمس و قمر سے مناجات کرے تو یہ آسمان اور شمس و قمر اس کے اوپر بھی ہیں اور سامنے بھی۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض اسماء کا بیان

وقوله صلى الله عليه وسلم : اللهم رب السماوات السبع والأرض ورب العرش العظيم، ربنا ورب كل شئ، فالق الحب والنوىٰ. منزل التوراة والانجيل والقرآن. أعوذبك من شر نفسي ومن شر كل دابة أنت آخذ بناصيتها. أنت الأول فليس قبلك شئ وأنت الآخر فليس بعدك شئ. وأنت الظاهر فليس فوقك شئ وأنت الباطن فليس دونك شئ. اقض عني الدين، وأغنني من الفقر.“ (رواہ مسلم)

اس حدیث میں رب العزت کے چار اسماء ”الأول والآخر والظاھر والباطن“ کا ذکر کیا گیا ہے ان تمام کا تعلق اسماء حسنیٰ سے ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تفسیر ان معانی سے بیان کی ہے جن میں کسی کے اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اسماء اوران کے معانی کے بارے میں سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ لہٰذا آپ کے بتائے ہوئے معانی ومفہوم کو چھوڑ کر کسی اور کے بیان کردہ معانی اختیار نہیں کیے جاسکتے خواہ وہ کوئی بھی ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں ہمیں یہ بھی سکھلا رہے ہیں کہ ہم سوال کرنے سے قبل اپنے رب کی حمد وثنا کس طرح بیان کریں، چنانچہ آپ نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی اس ربوبیت عامہ کے وسیلے سے حمد وثنا بیان کی جو ہر شئی سے مرتبط ومنسلک ہے پھر اس کے بعد اس کی اس خاص ربوبیت کے ذریعے جس کے طفیل توریت، انجیل اور قرآن جیسی تینوں کتابوں کا نزول ہوا جو اس کے بندوں تک ہدایت اور نور منتقل کرنے والی ہیں، پھر آپؐ نے اپنے نفس کے شر اور ہر نقصان دہ شئی کے شر ونقصان سے اللہ رب العزت کی پناہ طلب فرمائی، اور حدیث کے آخری حصے میں اللہ سے یہ سوال

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ کی بندوں سے قربت

وقوله صلى الله عليه وسلم لما رفع الصحابة اصواتهم بالذكر:
ايها الناس! أربعوا على أنفسكم فانكم لاتدعون أصما ولا غائبا انما تدعون سميعا بصيرا قريبا. ان الذى تدعونه أقرب الى أحدكم من عنق راحلته.“ (متفق عليه)

اس حدیث سے بندے سے اللہ کی قربت کا پتہ چلتا ہے یعنی وہ اس قدر قریب ہے کہ آواز بلند کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو راز کی باتوں اور سرگوشیوں کو بھی سن لیتا ہے اس حدیث میں مذکور قربت کا مطلب یہ ہے کہ احاطہ علم وسمع اور رویت کے اعتبار سے وہ قریب ہے اور اس کی یہ صفت اس کی صفت علو کے منافی نہیں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رویت باری تعالیٰ

"انكم سترون ربكم كماترون القمر ليلة البدر. لاتضالون في روية وان استطعتم أن لاتغلبوا على صلاة قبل طلوع الشمس وصلاة قبل غروبها فافعلوا." (متفق عليه)

یہ صحیح اور متواتر حدیث جنت کے اندر مومنین کے حق میں دیدار الٰہی اور اس کے مبارک چہرے کی طرف دیکھ کر محظوظ ہونے کی گواہی دے رہی ہے جس کی دلیل گذشتہ آیات بھی ہیں۔قرآن وسنت کے یہ تمام نصوص دو امور کی وضاحت کرر ہے ہیں:

۱......سب سے پہلی چیز یہ کہ ان نصوص سے اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوقات پر بلندی کا علم ہوتا ہے کیونکہ ان میں یہ صراحت ہے کہ مومنین اسے اپنے اوپر کی جانب دیکھیں گے۔

۲......حدیث میں مذکور عبارت "كماترون القمر ليلة البدر" میں رویت کی تشبیہ رویت سے دی گئی ہے، مرئی کی مرئی سے تشبیہ مراد نہیں ہے مقصد یہ ہے کہ لوگ اپنے رب کو بالکل صاف اور واضح حالت میں دیکھیں گے جس طرح کامل ماہتاب کو بالکل صاف طور سے دیکھا جاتا ہے اس کی کامل حالت یہ ہے کہ وہ بدر یعنی چودہویں کا چاند ہو جس پر بدلی وغیرہ کا اثر نہ ہو، اسی لئے اس کے فوراً بعد کہا: "لاتضامون في رؤيته" فعل تضامون کو "تضام" سے مشتق مان کر میم کی تشدید کے ساتھ بھی مروی ہے اس صورت اس کا معنی ہوگا "تزاحم و تلاصق" یعنی گنجلک ہونا۔

تضامون کی تا کو ضمہ اور فتحہ دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے کیونکہ اس کی اصل "تتضامون" ہے تخفیفاً ایک تا حذف ہوگئی۔اس کو "ضیم" سے مشتق مان کر میم کی تخفیف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔اس صورت میں ''ظلم'' کا معنی مراد ہوگا۔یعنی ''اس کی رویت میں کوئی نقص یا کمی نہ ملے گی۔''

اس حدیث کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی طور پر نماز فجر وعصر کی ترغیب دلانا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس نے باجماعت نمازوں میں ان دونوں پر خصوصی محافظت برتی تو وہ اس نعمت کامل سے سرفراز کیا جائے گا جس کے سامنے دیگر تمام نعمتیں ماند پڑ جائیں گی، اس حدیث میں جن دونمازون کی تاکید کی گئی ہے ایک دوسری حدیث میں بھی انہیں دونوں کی تاکید موجود ہے۔فرمایا: ''تمہارے درمیان رات اور دن کے فرشتے ایک دوسرے کے بعد آتے جاتے رہتے ہیں اور صبح اور شام کی نمازوں میں رات اور دن کے دونوں فرشتے جمع ہو جاتے ہیں''۔ (متفق علیہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سنت رسول سے ثابت صفات۔ اہل سنت کا موقف

"الی امثال ھذہ الاحادیث التی یخبر فیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ربہ بما یخبر بہ،فان الفرقۃ الناجیۃ أھل السنۃ والجماعۃ یومنون بذلک کمایومنون بماأخبر اللہ بہ فی کتابہ من غیر تحریف ولا تعطیل وغیر تکییف ولاتمثیل ،بل ھم الوسط فی فرق الأمۃ کما أن الأمۃ ھی الوسط فی الأمم"۔

مؤلف نے جن احادیث کا تذکرہ کیا ہے یہ باب صفات میں وارد شدہ احادیث کا مکمل استیعاب نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس جانب اشارہ بھی کر دیا ہے کہ انہیں کے ہم معنی دوسری بہت سی احادیث بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں جنہیں آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتائی ہوئی چیزوں کے متعلق بیان فرمائی ہیں،ان احادیث کا حکم بھی انہیں کی طرح ہے یعنی بیان کردہ احادیث کے علاوہ بھی جن احادیث میں اس کے اسماء وصفات کا ذکر ہے ان پر بھی ایمان رکھنا واجب ہے۔

پھر اپنے اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہوئے انہوں نے اہل سنت والجماعت کے عقیدے کو بیان کیا۔

سب سے پہلی بات انہوں نے یہ بتائی کہ سنت صحیحہ میں واردشدہ تمام صفات پر اہل سنت ایسے ہی ایمان رکھتے ہیں جس طرح اللہ کی کتاب میں واردشدہ صفات پر بغیر کسی تحریف وتعطیل کے اور بغیر تکییف وتمثیل کے ایمان رکھتے ہیں۔ پھر اہل سنت والجماعت کے متعلق یہ خبر دی کہ ان کا طریقہ اس امت میں موجود گمراہ اور بھٹکے ہوئے فرقوں کے مابین ایک درمیانی اوراعتدال پسندی پر مبنی طریقہ ہے، جس طرح یہ امت پچھلی ساری امتوں میں امت وسط کے نام سے موسوم ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وکذلک جعلناکم أمۃ وسطاً لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیداً﴾ "اوراسی طرح ہم نے تمہیں ایک معتدل امت بنایا تا کہ تم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کے سامنے گواہی دو اور رسول تمہارے بارے میں گواہی دیں۔'' (البقرۃ:۱۴۳)

''وسط'' کا معنی ہے معتدل اور میانہ روی پر مبنی سب سے بہتر۔ جیسا کہ حدیث میں صراحت ہے۔

اس امت کا عقیدہ ان امتوں کے درمیان جو نقصان دہ غلو کی طرف مائل ہیں اور ان کے درمیان جو مہلک تفریط کی طرف مائل ہیں، میانہ روی اور اعتدال پسندی پر مبنی ہے، پچھلی امتوں میں سے بعض نے تو مخلوق کی صفات میں غلو کرتے ہوئے ان کے لئے خالق کی صفات اور اس کے حقوق ثابت کر بیٹھے، جیسا کہ نصاریٰ عیسیٰ مسیح علیہ السلام اور اپنے راھبوں کی شان میں غلو کے مرتکب ہوئے، اور انہیں امتوں میں سے کچھ ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے انبیاء اور ان کے متبعین کے ساتھ جفا اور غداری کی حتی کہ انہیں قتل کر دیا اور ان کی دعوت کو بھی رد کر دیا۔ جیسا کہ یہودیوں نے کیا، انہوں نے زکریا اور یحیٰ علیہما السلام کو قتل کیا ہی عیسیٰ علیہ السلام کو بھی قتل کرنے کی کوشش کی اور ان پر بہتان تراشی کی۔

رہی یہ امت (یعنی امت محمدیہ) تو یہ ان تمام رسولوں پر ایمان لائی جنہیں اللہ تعالیٰ نے مبعوث کیا اور ان کی رسالت کو تسلیم کرتے ہوئے ان انبیاء کے اس بلند و بالا مرتبے کو بھی پہچانا جن کے ذریعے اللہ نے انہیں ممتاز کیا تھا، اور جن کے ذریعے انہیں فضیلت بخشی۔

انہیں پچھلی امتوں میں کچھ ایسی امتیں بھی تھیں جو اپنے لئے ہر خبیث اور طیب چیز کو حلال کر بیٹھے، کچھ تو غلو اور حد سے تجاوز کرتے ہوئے طیبات کو بھی حرام ٹھہرا لیا۔

رہی یہ امت (امت محمدیہ) تو اللہ نے اس کے لئے طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام فرما دیا ہے، اس کے علاوہ بھی بہت سے ایسے امور ہیں جن میں اللہ نے توسط کا حکم دے کر اس امت پر احسان و کرم فرمایا ہے۔

اسی طرح اہل سنت والجماعت اس امت کے ان بدعتی فرقوں کے درمیان جو صراط مستقیم سے بھٹک چکے ہیں اعتدال پسندی اور میانہ روی کے نظریے پر قائم ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صفات کے باب میں اہل سنت کا متفق علیہ عقیدہ

”فهم وسط فی باب صفات اللّٰہ سبحانه وتعالیٰ بين أهل التعطيل الجهمية وأهل التمثيل المشبه.“

یعنی صفات کے باب میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ان حضرات کے مابین اعتدال پسندی پر مبنی ہے جو صفات کا انکار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بلند و بالا ذات کو تمام صفات سے عاری اور معطل قرار دیتے ہیں، اور صفات کے اثبات کے سلسلے میں وارد شدہ آیات واحادیث کے صحیح وثابت معنوں میں تحریف کر کے اپنے اعتقاد کے موافق ایسے معانی مراد لیتے ہیں جو نہ تو کسی صحیح دلیل سے ثابت ہیں اور نہ ہی عقل صریح سے۔ مثلاً ان کا یہ خیال کہ اللہ کی رحمت سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کے ساتھ احسان کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، ”یداللہ“ یعنی اللہ کے ہاتھ سے مراد اس کی قدرت، اللہ کے عین یعنی آنکھ کے اثبات سے مراد یہ ہے کہ وہ حفاظت ورعایت کرتا ہے، نیز اس کے عرش پر مستوی ہونے سے مراد ہے اس کا غالب وقابض ہونا۔ اس کے علاوہ تعطیل کی اور بھی بہت سی صورتیں ہیں جن کے جال میں یہ لوگ اپنے رب کے تعلق اپنے اس سوءِ ظن اور وہم کے سبب پھنس گئے ہیں کہ اللہ کے ساتھ ان صفات کو قائم ماننا صرف اور صرف اسی کیفیت اور طریقے پر سمجھ میں آتا ہے جو مخلوق کے ساتھ اثبات صفات کی کیفیت ہے۔ گویا دونوں میں مشابہت لازم آتی ہے۔ کہنے والے نے کیا ہی بہتر کہا ہے ؎

وقصاری أمر من أول أن ظنوا ظنونا فيقولون على الرحمن مالا يعملونا

اہل تاویل کی کوششوں کا ماحصل ظنون وخیالات کے سوا کچھ نہیں، وہ رحمٰن کے سلسلے میں وہ بات کہتے ہیں جن کا انہیں علم نہیں۔

اہل تعطیل یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کو صفات سے معطل وعاری قرار دینے والوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو ''جہم بن صفوان الترمذی'' کی طرف منسوب کر کے ''جہمیہ'' کہا جاتا ہے جو کہ اس فتنہ وگمراہی کا سرغنہ ہے، پھر اس لفظ کے مفہوم میں قدرے وسعت دے کر اس کا استعمال ہر اس شخص پر ہونے لگا جو اسماء وصفات کے سلسلے میں نفی وانکار کا مرتکب ہوا ہو۔ اس میں ''فلاسفہ''، ''معتزلہ''، ''اشعریہ''، ''قرامطہ'' اور ''باطنیہ'' جیسے تمام فرق داخل ہیں جو صفات کی نفی کرتے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ منکرین صفات ''جہمیہ'' اور ان اہل تمثیل ''مشبہہ'' کے مابین اعتدال پسندی پر مبنی ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے مشابہ اور اسے اس کے بندوں کے مماثل قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں گمراہ فرقوں کے نقطہ نظر کی تردید ان الفاظ میں کی ہے: ﴿ليس كمثله شيء﴾ یعنی اس کے مثل کوئی شئ نہیں ہے، آیت کا یہ ٹکڑا مشبہہ کے موقف کی تردید کر رہا ہے، جب کہ ﴿وهو السميع البصير﴾ ''یعنی وہ خوب سننے اور دیکھنے والا ہے''۔ سے معطلہ کے مذہب کی تردید ہوتی ہے۔

اہل حق اللہ کی صفات کو بلا تمثیل ثابت کرتے ہیں اور ان صفات کو مخلوق کی مشابہت سے بلا تعطیل منزہ اور پاک قرار دیتے ہیں۔ الغرض انہوں نے ''معطلہ'' اور ''مشبہہ'' دونوں کے موقف یعنی تنزیہ واثبات کو ایک ساتھ نہایت ہی بہتر انداز میں جمع کر دیا ہے۔ اور ان کی تعطیل وتشبیہ والے نظریے کو رد کر دیا جس میں پڑ کر وہ لوگ خطا وغلطی کے مرتکب ہوئے تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بندوں کی جانب سے صادر ہونے والے افعال۔صحیح موقف

"وهم وسط في باب افعال الله بين الجبرية و القدرية وغيرهم."

علامہ محمد بن عبدالعزیز بن مانع اس عبارت پر اپنی تعلیق میں فرماتے ہیں:

"واضح رہے کہ بندوں کے افعال کے سلسلے میں لوگوں کو اختلاف ہے کہ آیا یہ اللہ کی قدرت و اختیار میں ہیں یا نہیں؟ جہم اور اس کے متبعین جن کا شمار "فرقہ جبریہ" میں ہوتا ہے، کہتے ہیں کہ افعال عباد صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت و اختیار میں ہیں بندہ ان کا خالق نہیں ہے، یہی خیال اشعری اور ان کے متبعین کا ہے کہ تقدیر میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت و اختیار کا ہی دخل ہے بندے کا اس میں کوئی اختیار نہیں، جمہور معتزلہ جنہیں قدریہ کہا جاتا ہے یعنی تقدیر کے منکرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے اختیار پر بعینہ قادر نہیں ہے البتہ ان کے مابین اس بات پر اختلاف چلا آرہا ہے کہ کیا وہ بندوں کے قدرت و اختیار کے مثل پر قادر ہے یا نہیں؟ چنانچہ ابوعلی وابوھاشم جیسے بصریوں نے اس کو ثابت تسلیم کیا ہے جب کہ کعبی اور ان کے متبعین اہل بغداد نے اس کا انکار کیا ہے۔

اہل حق کا خیال اور ان کا منہج فکر یہ ہے کہ بندے اپنے انجام دیئے ہوئے افعال کے سبب ہی فرماں بردار اور نافرمان بنتے ہیں اور یہ افعال اللہ تعالیٰ کے تخلیق کردہ ہیں، اللہ رب العزت اپنی جملہ مخلوقات کی تخلیق میں تنہا و منفرد ہے اس کے سوا کوئی ان کا خالق ہی نہیں ہے، جبریہ نے تو اثبات تقدیر میں غلو سے کام لیتے ہوئے بندوں سے کسی بھی قسم کے اختیار و فعل کی بالکلیہ ہی نفی کردی جب کہ تقدیر کے منکر معتزلی حضرات نے اللہ کے ساتھ بندوں کو بھی خالق تسلیم کرلیا، جس کے سبب یہ لوگ اس امت کے مجوس ثابت ہوئے،...... جب کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین یعنی اہل سنت والجماعت کو اپنی طرف سے ہدایت بخشی، اللہ جسے چاہتا ہے اسے ہی سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے، ان کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خیال یہ ہے کہ بندے اپنے افعال کو انجام دینے والے اور اللہ تعالیٰ انہیں اور ان کے افعال کی تخلیق کرنے والا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿واللہ خلقکم وماتعملون﴾ ''اللہ نے تم سب کو پیدا کیا ہے اور اسے بھی جو تم عمل کرتے ہو۔''

(الصافات:۹٦)

یہ عبارت ہم نے من وعن نقل کر دی کیونکہ تقدیر اور بندوں کے افعال کے سلسلے میں متکلمین کے مذاہب اور ان کے نقطۂ نظر کی بہت ہی عمدہ تلخیص ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جزا و سزا

"وفی باب وعید اللہ بین المرجئۃ والوعیدیۃ من القدریۃ وغیرھم".

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت "وعید" یعنی گناہوں کی سزا کے سلسلے میں افراط کے شکار مرجئۃ کے برعکس اعتدال اور میانہ روی کے موقف پر قائم ہیں جن کا خیال یہ ہے کہ: جس طرح بحالت کفر اطاعت وفرماں برداری کے اعمال فائدہ مند نہیں ہیں ویسے ہی بحالت ایمان گناہ کرنے سے ایمان میں کوئی نقص لازم نہیں آتا، ان کے خیال کے مطابق صرف دل سے تصدیق کر لینے کا نام ہی ایمان ہے اگر چہ زبان سے اقرار نہ کیا جائے............ ارجاء کی طرف نسبت کرتے ہوئے انہیں "مرجئۃ" کہا جاتا ہے۔ "ارجاء" کا معنی ہے مؤخر کرنا، چونکہ انہوں نے اعمال کو ایمان سے مؤخر اور الگ کر رکھا ہے اس لئے مرجئۃ کہلائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس مفہوم کی بنیاد پر ارجاء کفر ہے جس کا اقرار کرنے والا خارج عن الملۃ ہے کیونکہ ایمان میں دل سے تصدیق کرنے کے ساتھ ساتھ زبان سے اقرار اور جملہ ارکان اسلام پر عمل کرنا بھی داخل ہے، اس میں سے کچھ بھی اگر چھوٹ گیا تو آدمی مومن نہیں ہوگا۔

اب رہا وہ "ارجاء" جسے کوفہ کے بعض ائمہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے علاوہ دوسرے ائمۂ کرام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ان کا یہ خیال کہ اعمال ایمان میں داخل اور اس کا جز نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود بھی یہ لوگ اہل سنت کے اس مسلک کے موافق ہیں کہ اللہ مرتکب کبائر میں سے جسے چاہے گا جہنم میں ڈال کر سزا دے گا اور پھر شفاعت یا کسی دوسرے ذریعہ سے انہیں جہنم سے نکال دے گا، اور اس خیال میں بھی وہ اہل سنت کے موافق ہیں کہ ایمان کے لئے زبان سے اقرار کرنا بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضروری ہے، اوراس موقف میں بھی ان سے متفق ہیں کہ فرض اعمال واجب ہیں انہیں ترک کرنے والا مذمت وعتاب کا مستحق ہے، تو ارجاء کی یہ قسم کفر نہیں ہے، اگر چہ کہ ایمان سے عمل کو خارج ماننے کا ان کا موقف باطل اور بدعت ہے۔

وعید یہ ان حضرات کو کہا جاتا ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ پر یہ واجب ہے کہ فرماں برداروں کو ثواب واجر دے اسی طرح اس پر عقلاً یہ بھی واجب ہے کہ عاصی وگنہگار کو عذاب سے دوچار کرے۔

چنانچہ جو شخص گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہوئے بغیر توبہ کئے مرجائے تو ان کے خیال کے بموجب اللہ کے لئے یہ جائز ودرست نہیں کہ اسے معاف کرے، ان کا یہ مذہب وموقف باطل اور کتاب وسنت سے متصادم ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ ان اللہ لایغفر أن یشرک به ویغفر مادون ذٰلک لمن یشاء﴾ ''اللہ تعالیٰ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ شریک بنایا جائے اور اس کے علاوہ گناہوں کو جس کے لئے چاہتا ہے معاف کردیتا ہے۔'' (النساء :۴۸) اور احادیث میں بھی موحد گنہگار کے جہنم سے نکلنے اور ان کے جنت میں داخل ہونے کا ذکر ملتا ہے۔

اہل سنت والجماعت کا مسلک وعید وسزا کا انکار کرنے والے مرجئہ اور اسے واجب قرار دینے والے قدریہ کے مابین میانہ روی اور اعتدال پسندی پر مبنی ہے۔ ان کے مذہب کے مطابق جو شخص کبیرہ کا ارتکاب کر کے مرجائے تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اگر وہ چاہے تو گرفت کرے اور چاہے تو معاف کردے، جیسا کہ گذشتہ آیات دلالت کررہی ہیں۔ اور اگر اس کا مواخذہ بھی ہوا تو وہ کفار کی طرح مخلد فی النار نہ ہوگا بلکہ جہنم سے نکال کر اسے جنت میں داخل کیا جائے گا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسماء وایمان ودین

"وفی باب اسماء الایمان والدین بین الحروریۃ والمعتزلۃ وبین المرجئۃ والجہمیۃ."

اسماء واحکام کا مسئلہ وہ پہلا مسئلہ ہے جس کو لیکر اسلام میں مخالف گروپوں کے مابین سب سے پہلے نزاع پیدا ہوا اور اس نزاع میں ان جنگی وسیاسی واقعات کا جو کہ اس وقت علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین رونما ہوئے اور اس کشمکش کے نتیجے میں خوارج، روافض اور قدریہ جیسے پیدا شدہ مختلف فرقوں کا بھی بہت بڑا دخل تھا۔

یہاں اسماء سے مراد دین میں پیدا شدہ مختلف فرقوں مثلاً مسلم، مومن، کافر فاسق وغیرہ کے اسماء ہیں اور احکام سے مراد ہے دنیا وآخرت میں ان تمام فرقوں کی طرف منسوب ہونے والوں کے احکام۔

خوارج جو حروریہ بھی کہلاتے ہیں اور معتزلی حضرات اس موقف کی طرف گئے ہیں کہ ایمان کا لفظ صرف اسی کے حق میں درست ہے جو دل سے تصدیق کرے، زبان سے اقرار کرے اور تمام واجبات کی بجا آوری کرے اور تمام کبائر سے اجتناب کرے، چنانچہ ان دونوں فرقوں کا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ مرتکب کبائر کو مومن نہیں کہا جائے گا، لیکن اختلاف اس مسئلے میں ہے کہ آیا انہیں کافر کہا جائے یا نہ کہا جائے؟ خوارج تو انہیں کافر تسلیم کرتے ہوئے اس کی جان ومال کو حلال قرار دیتے ہیں، اسی لئے انہوں نے علیؓ اور معاویہؓ اور ان کے اصحاب کو کافر قرار دیا، اور ان کی نسبت سے وہ تمام چیزیں حلال سمجھیں جو ایک کافر کے بنسبت حلال سمجھی جاتی ہیں۔

رہے معتزلی حضرات تو انہوں نے یہ کہا کہ مرتکب کبیرہ ایمان سے تو خارج ہے لیکن کفر میں داخل نہیں ہوتا، بلکہ وہ کفر وایمان کے درمیان ایک تیسری حالت میں ہوتا ہے ان کا یہ اصول ان اہم اصولوں میں سے ایک ہے جن پر مذہب اعتزال قائم ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دونوں فریق اس بات پر بھی متفق ہیں کہ جو شخص بحالت کبیرہ مر جائے اور توبہ نہ کرے تو وہ مخلد فی النار ہوگا، چنانچہ ان کا اتفاق ان دو امور میں ہے۔

۱......مرتکب کبیرہ سے ایمان کی نفی۔

۲......کفار کے ہمراہ اس کا مخلد فی النار ہونا۔

البتہ دو جگہوں میں ان کے مابین اختلاف ہے۔ پہلا اختلاف یہ ہے کہ کیا مرتکب کبائر کو کافر تسلیم کیا جائے؟ اور دوسرا اختلاف یہ ہے کہ کیا مرتکب کبائر کے جان و مال کو حلال قرار دیا جائے؟ اس دوسرے اختلاف کا تعلق دنیوی حکم سے ہے۔

رہے مرجئہ تو ان کے موقف کی وضاحت گزر چکی ہے کہ ان کے نزدیک معصیت کے سبب ایمان میں کوئی نقص نہیں آتا چنانچہ ان کے نزدیک مرتکب کبائر مومن کامل ہے اور جہنم میں دخول کا مستحق نہیں ہے۔

اہل سنت والجماعت کا مذہب ان دونوں فرقوں کے مذاہب کے مابین میانہ روی اور اعتدال پسندی پر مبنی ہے۔ ان کے نزدیک مرتکب کبائر مومن تو ہے لیکن کامل نہیں بلکہ ناقص ایمان ہے، ارتکاب معصیت کے بقدر اس کے ایمان میں نقص ہے چنانچہ خوارج اور معتزلہ کی طرح یہ لوگ مرتکب کبیرہ سے ایمان کی بالکلیہ نفی نہیں کرتے، اور مرجئہ جہمیہ کی طرح اسے مومن کامل بھی نہیں مانتے، ان کے مذہب کے مطابق آخرت میں ان کا حکم یہ ہے کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اول مرحلہ ہی میں اسے معاف کر کے جنت میں داخل کر دے، یا اس کی معصیت و گناہ کے بقدر عذاب دے پھر اسے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کرے، اس کا یہ حکم بھی ان لوگوں کے مابین میانہ روی اور اعتدال پسندی پر مبنی ہے جو اس کے خلود فی النار ہونے کے قائل ہیں اور جو اس بات کے قائل ہیں کہ گناہ کے ارتکاب کے باوجود بھی وہ کسی سزا کا مستحق نہیں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحابہ کرام کے متعلق اہل سنت و دیگر فرق کے عقائد

"وفی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین الرافضة والخوارج"

یہ بات معروف ومشہور ہے کہ روافض صحابۂ کرام کو برا بھلا اوران پرلعنت وملامت کرتے ہیں، بسا اوقات جملہ اصحاب کرام یا ان میں سے بعض کو کافر قرار دیتے ہیں، اس فرقے کے بہت سے غلو پسند حضرات صحابۂ کرام کو برا بھلا کہنے کے ساتھ ساتھ علیؓ اوران کی اولاد کی شان میں غلو سے کام لیتے ہیں، یہاں تک کہ علی واولاد علی رضوان اللہ علیہم اجمعین میں الوہیت کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں، یہ لوگ عبداللہ بن سبا کی قیادت میں علیؓ کی زندگی ہی میں ظاہر ہو چکے تھے۔

عبداللہ بن سبا ایک یہودی شخص تھا جس نے ظاہراً مسلمان ہوکر اسلام اور اہل اسلام کے خلاف سازش رچنا چاہی، جیسا کہ اس سے پہلے یہودی نصاری کے خلاف بھی سازش کر چکے ہیں اوران کے مذہب میں بگاڑ پیدا کردیا ہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے روافض کے فتنے کے انسداد کے لئے انہیں آگ میں بھی جلایا جیسا کہ ان سے انکا ایک قول منقول ہے:

لما رأیت الأمر أمراً منکراً أججت ناری ودعوت قنبراً

یعنی جب میں نے معاملہ کو انتہائی ناپسندیدہ دیکھا تو میں نے آگ دہکائی اور میں کنیز (غلام) کو آواز دی۔

رہے خوارج تو یہ لوگ ان روافض کے مخالف ہیں چنانچہ انہوں نے علیؓ، معاویہؓ، اوران کے ساتھ دوسرے صحابہ کرام کو کافر قرار دیا، اوران کے ساتھ قتال کیا اوران کے جان و مال کو حلال سمجھا۔

رہے اہل سنت تو یہ لوگ ان دونوں فرقوں کی غلو پسندی اوران کی تقصیر کے مابین

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میانہ روی اور اعتدال کے موقف پر قائم رہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی کے اصحاب کے فضل کا اعتراف کرنے کی توفیق بخشی، صحابۂ کرام اس امت میں سب سے کامل ایمان والے نیز علم وحکمت کے اعتبار سے بھی سب سے آگے ہیں، انہوں نے ان کی شان میں نہ تو غلو سے کام لیا اور نہ ہی انہیں معصوم سمجھا بلکہ انہوں نے انہیں ان کا حق دیا، اسلام کی نصرت و مدد اور جہاد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی مسابقت وپہل کی وجہ سے ان کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ کے لئے استواء علی العرش پر ایمان

اس فصل میں مؤلف نے اللہ تعالیٰ کے بلند اور جملہ مخلوقات سے الگ ہوکر اس کے عرش پر مستوی ہونے کی صراحت فرمائی ہے، جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق خبر دی ہے، نیز اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی تواتر کے ساتھ حدیث مروی ہے، اور اس پر اس امت کے ان سلف وصالحین کا اجماع بھی ہے جو کہ ایمان وعلم میں سب سے کامل ترین لوگ تھے، یہاں اس صراحت مزید کا مقصد اس سلسلے میں گذری گذشتہ باتوں کو مؤکد کرنے کے ساتھ شدت کے ساتھ منکرین استواء، جہمیہ، معتزلہ اور ان کے متبعین اشاعرہ کی نکیر کرنا ہے۔

پھر مؤلفؒ نے اس بات کی وضاحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا مخلوق کے ساتھ اس کی معیت وقربت کے منافی نہیں ہے، کیونکہ اس معیت کا معنی اختلاط اور حسی مجاورت نہیں، اسے ثابت کرنے کے لئے انہوں نے چاند کی مثال دی جو کہ آسمان میں بلند ہونے کے باوجود بھی مسافروں اور دوسرے افراد کے ساتھ بھی ہوتا ہے، خواہ وہ لوگ کہیں بھی رہیں سب کو روشنی دیتا ہے، جب چاند کی نسبت ایسا ممکن ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی سب سے چھوٹی مخلوق ہے تو اس ذات کی نسبت ایسا کیونکر ممکن نہیں ہوسکتا جو کہ بہت ہی باریک بین اور خبیر ہے جو اپنے علم اور اپنی وسعت کے لحاظ سے اپنے بندوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے، جو کہ شہید بھی ہے یعنی سب سے باخبر اور سب کی آواز کو سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا اور ہر قسم کے راز کی باتوں اور سرگوشیوں کا علم رکھنے والا بلکہ عرش سے لیکر فرش تک پوری کائنات، آسمان وزمین سب کا سب اس کے سامنے ہے ہمارے ہاتھ میں موجود بالکل چھوٹی سی ایک گولی کی طرح! جس کی اتنی بڑی شان ہو کیا اس ہستی کے لئے یہ کہنا جائز نہ ہوگا کہ وہ اپنی مخلوق پر بلند اور اپنے عرش پر مستوی ہونے کے باوجود بھی ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ ہے؟ کیوں نہیں۔اس بلندی اور اس کی معیت پر بھی ایمان رکھنا واجب ہے اور اس بات کا اعتقاد رکھنا بھی واجب اور ضروری ہے کہ یہ سب کا سب صداقت پر مبنی اور سچ ہے، ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ اس سلسلے میں کسی غلط فہمی میں پڑا جائے یا اسے کسی فاسد معنی پر محمول کیا جائے۔مثال کے طور پر اللہ کے قول ﴿وھو معکم﴾ کہ "وہ تمہارے ساتھ ہے" سے یہ سمجھا جانے لگے کہ یہاں معیت سے مراد امتزاج واختلاط کی معیت ہے جیسا کہ حلولیہ فرقہ کا دعوی ہے یا اللہ تعالیٰ کے قول ﴿في السماء﴾ سے یہ سمجھ لیا جائے کہ آسمان اللہ تعالیٰ کا ظرف ہے جو اسے اٹھائے وسنبھالے ہوئے اور اس کو گھیرے ہوئے ہے۔اور یہ کیسے ممکن ہے جب کہ اس کی کرسی آسمان وزمین دونوں پر محیط ہے اور وسیع ہے۔اور وہی ہے جو اپنے حکم سے آسمان کو گرنے سے روکے ہوئے ہے، پاک ہے وہ ذات جس تک کسی وہم کرنے والے کا وہم نہیں پہونچ سکتا، اور دنیا کے لوگوں کی عقلیں بھی اس کا ادراک نہیں کرسکتیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معیت الٰہی اس کے علو کے غیر منافی ہے

اللہ تعالیٰ نے خود کو جن صفات سے متصف فرمایا ہے ان پر ایمان لانا واجب ہے۔ان صفات میں سے ''قریب'' اور ''مجیب'' بھی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے قریب ہے جو اس سے مناجات ودعا کرتا ہے، اور اس شخص کی دعا ومناجات کو سن کر جب اور جیسے چاہتا ہے اس کی دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازتا ہے۔ وہ قریب ہے اس کی قربت احاطہ اور علم کی بنیاد پر ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿ولقد خلقنا الانسان ونعلم ماتوسوس به نفسه ونحن اقرب اليه من حبل الوريد﴾ ''اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم خوب جانتے ہیں کہ اس کے دل میں کیسے خیالات گزرتے ہیں، اور ہم شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں''۔ (ق:١٦)

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کتاب وسنت میں مذکور اس کی قربت ومعیت اور اس کے علو وفوقیت کے مابین کسی قسم کا کوئی تضاد وتصادم نہیں ہے۔ یہ سب صفات اس کی ذات کے مناسب اور اس کے لائق ہیں، اس کی کسی بھی صفت میں کوئی اس کا ہم مثل نہیں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن مجید کے متعلق اہل سنت اور دیگر فرق کے مواقف

مصنفؒ نے قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر ایمان رکھنے کو ایمان باللہ میں داخل تسلیم کیا ہے۔ کیونکہ کلام اس کی صفت ہے چنانچہ اللہ پر ایمان اس کی صفت پر ایمان لائے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔ کلام متکلم کی صفت ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس صفت سے متصف ہے کیونکہ وہ جب چاہتا ہے اور جیسا چاہتا ہے کلام کرتا ہے، اور وہ اس معنی میں ہمیشہ سے متکلم رہا ہے اور ہمیشہ متکلم رہے گا بھی کہ اس کا کلام نوع قدیم ہے اگر چہ کہ اس کا کلام انفرادی حیثیت سے یکے بعد دیگرے اس کی حکمت کے مطابق وجود میں آتا رہا ہے۔

پچھلے صفحات میں ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ ''کلام اللہ'' میں اللہ کی طرف کلام کی اضافت اضافت صفت الی موصوف کے قبیل سے ہے، معلوم ہوا کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس نے اس کے الفاظ ومعانی کے ساتھ اپنی ذاتی آواز میں حقیقی طور پر کلام کیا ہے، جو شخص اس بات کا دعویدار ہے کہ قرآن مخلوق ہے جیسا کہ معتزلی حضرات ایسا دعوی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پر یہ ایک بہت بڑا بہتان ہے اور اس کے کلام کو اس کا وصف حقیقی تسلیم کرنے سے انکار ہے اور قرآن کو مخلوق کی صفت تسلیم کرنے کے مترادف ہے، نیز لغت کی طرف منسوب کردہ ایک بے بنیاد بات ہے کیونکہ لغت میں کہیں بھی ایسا اصول نہیں کہ جس کی رعایت سے متکلم کو خالق کلام کے معنی میں تسلیم کیا جاسکے۔

اور جن حضرات کا خیال یہ ہے کہ ہمارے درمیان موجود ''قرآن مجید'' کلام اللہ کی حکایت ہے جیسا کہ ''کلابیہ'' کہتے ہیں، یا جو اس خیال کے حامل ہیں کہ ''قرآن'' الٰہی کلام کی تعبیر ہے جیسا کہ اشعری کہتے ہیں تو ان کا خیال معتزلہ کے نصف خیال سے مطابقت رکھتا ہے وہ اس طرح کہ انہوں نے الفاظ اور اس کے معانی کے درمیان تفریق کرتے ہوئے الفاظ کو مخلوق اور ان کے معانی کو صفت قدیم سے عبارت تسلیم کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ نصاریٰ نے اپنے اس قول میں کیا ہے کہ ''لاھوت'' جو کہ کلمہ ہے ''ناسوت'' یعنی جسد عیسیٰ ؑ میں داخل ہو گیا...... چنانچہ انہوں نے جب یہ کہا کہ معانی جو کہ قدیم صفت ہیں ان الفاظ میں حلول کر گئے جو کہ مخلوق یعنی پیدا شدہ ہیں، تو اس صورت میں انہوں نے الفاظ کو ''ناسوت'' کے درجے میں رکھ دیا۔

قرآن میں جیسے بھی تصرف کیا جائے وہ اللہ کا کلام ہی رہے گا خواہ اسے مصاحف میں لکھیں یا اپنی زبان سے اس کی تلاوت کریں تو بھی وہ کلام اللہ ہونے سے خارج نہ ہوگا۔ کیونکہ کلام کی نسبت، جیسا کہ مصنف نے بیان کیا، اسی کی جانب کی جاتی ہے جس نے اسے پہلی مرتبہ کہا ہو، اس شخص کی طرف اسے منسوب نہیں کیا جاتا جس نے صرف نقل کر کے پہونچا دیا ہو۔

سلف کے قول ''منه بدأ واليه يعود'' کے تعلق سے یہ بات عرض ہے کہ اس کا پہلا جزو ''بــــدأ'' سے مشتق ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ابتداءً اللہ ہی نے اس کے ذریعے کلام کیا کسی اور کی جانب سے اس کی ابتدا نہیں ہوئی ہے۔ یہ لفظ ''بـــــــدو'' سے بھی مشتق مانا جا سکتا ہے جس کا معنی ہے ظاہر ہونا، مطلب یہ ہوگا کہ وہی ہے جس نے اس کے ذریعے کلام کیا اور جس کی جانب سے اس کلام کا ظہور ہوا اس کے سوا کسی اور کی جانب سے نہیں۔ اور ''واليه يعود'' کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس کا وصف ہونے کے سبب دوبارہ اسی کی طرف لوٹ جائے گا کیونکہ اس کا وصف اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اس کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ آخری زمانے میں جب قرآن مصاحف اور سینوں سے اٹھا لیا جائے گا تو اسی کی طرف واپس لوٹ جائے گا۔ جیسا کہ علامات قیامت کے باب میں بیان کیا جاتا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ قرآن کے کلام اللہ ہونے پر ایمان رکھنا ایمان بالکتب میں داخل ہے تو ان پر ایسا صحیح ایمان رکھنا ضروری اور واجب ہے جس میں ایک بندہ اس بات پر ایمان رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں کے الفاظ اور ان کے معانی کے ذریعے کلام کیا ہے اور یہ مکمل اسی کا کلام ہے کسی اور کا نہیں۔ وہی اللہ ہے جس نے توریت کے ذریعے بزبان عبرانی اور انجیل کے ساتھ بزبان سریانی اور قرآن کے ذریعے واضح عربی زبان میں کلام کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رؤیت عامہ

اس کے بعد مؤلف نے دیدار الٰہی کے تعلق سے گفتگو کی ہے اور اس تعلق سے گفتگو پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ مومنین جنت میں اپنے رب کا دیدار کریں گے، جیسا کہ اس پر بہت ساری آیات واحادیث دال ہیں، یہاں دوبارہ اس گفتگو کو دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، البتہ یہاں ایک بات ذکر کردینا ضروری ہے کہ مصنف کے اس قول: "يرونه سبحانه وهم في عرصات القيامة" سے یہ اشتباہ پیدا ہو رہا ہے کہ یہ رؤیت بھی صرف مومنین کے لئے خاص ہے جب کہ ایسا نہیں ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ رویت عمومی ہے جو سب کے لئے عام ہے اور یہ اس وقت ہوگی جب اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان فیصلہ کی غرض سے آئے گا، جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿هل ينظرون الا أن يأتيهم الله في ظلل من الغمام﴾

"یہ لوگ بس اسی کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس اللہ بادل کے سائبان میں آجائے" (البقرة : ۲۱۰)

عرصات عرصۃ کی جمع ہے اس کا اطلاق ہر اس کشادہ جگہ پر ہوتا ہے جہاں کوئی عمارت نہ ہو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایمان بالآخرۃ

چونکہ آخرت کے دن پر ایمان ان چھ ارکان میں سے ایک ہے جن پر ایمان کا دارومدار ہے اس پر مکمل اور پورے طور پر ایمان رکھنا واجب ہے، ایک بندے کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہوسکتا جب تک کہ امور غیب سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ان خبروں پر ایمان نہ لائے جو موت کے بعد واقع ہونے والی ہیں، اس سلسلے میں ضابطہ یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں ان ممکنہ امور میں سے ہیں جن میں آپ نے خبر دی ہے اور ہر وہ ممکن امر جس کی خبر آپ نے دی ہو اس کے واقع ہونے پر ایمان لانا واجب ہے اوران تمام امور کا علم احادیث رسول سے ہی ہوتا ہے، چنانچہ اہل سنت والجماعت ان تمام امور پر ایمان رکھتے ہیں۔

رہے فلاسفہ اور معتزلہ سے نسبت رکھنے والے گمراہ اور ملحد حضرات تو یہ ان تمام امور مثلاً قبر میں ہونے والے سوال، قبر میں ملنے والی نعمتیں اوراس کا عذاب، پل صراط اور میزان وغیرہ سب کے منکر ہیں۔ ان تمام امور کا انکار انہوں نے اپنے اس دعوے کی بنیاد پر کیا ہے کہ ان تمام کو عقل تسلیم نہیں کرتی۔ ان کے پاس عقل ہی حاکم اول اور معیار اصلی ہے، اس معیار پر پرکھنے کے بعد ہی ان کے نزدیک کسی شئ پر ایمان ممکن ہوسکتا ہے، نیز یہ لوگ ان ایمانیاتی امور کے سلسلے میں واردشدہ احادیث رسول کو بھی محض اس دعوے کی بنیاد پر رد کردیتے ہیں کہ یہ آحاد یعنی خبر واحد ہیں ان کے نزدیک اعتقادات کے باب میں ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ جہاں تک تعلق ہے اس سلسلے میں وارد آیات کا تو ان کی بھی تاویل کرنے سے یہ لوگ باز نہیں آتے انہیں حقیقی ومرادی معانی ومفہوم سے محرف کردیتے ہیں۔

مؤلفؒ فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت فتنۂ قبر پر ایمان رکھتے ہیں، یعنی اس فتنے پر جو کہ قبر کے اندر ہوگا، فتنہ کا لغوی معنی ہے سونا یا اس کے مثل کسی دوسری دھات کو پگھلا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر کھوٹا کھرا معلوم کرنا۔ پھر اس لفظ کا استعمال امتحان و آزمائش کے معنی میں ہونے لگا۔

عذاب قبر اور اس کی نعمتوں کا اثبات اس آیت سے ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فرعون کے متعلق ذکر کیا ہے: ﴿النار یعرضون علیها غدوا وعشیا﴾ ''وہ لوگ صبح وشام نار جہنم کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں'' (المومن:۴۶)

اور اس آیت کریمہ میں بھی اس کی دلیل موجود ہے جو قوم نوح کے سلسلے میں نازل ہوئی: ﴿مما خطیئاتهم أغرقوا فأدخلوا نارا﴾ ''وہ تمام کے تمام اپنے گناہوں کے سبب ڈبو دیئے گئے پھر آگ میں ڈال دیئے گئے۔'' (نوح:۲۵)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلے میں یوں مروی ہے: ''قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔''

متن میں موجود لفظ ''المرزبة'' کا معنی ہے بڑا ہتھوڑا۔ اسے ارزبة بھی کہا جاتا ہے۔ مؤلفؒ فرماتے ہیں ''اور قیامت قائم ہوگی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کے ذریعہ خبر دی ہے...........''

یہاں قیامت سے مراد قیامت کبریٰ ہے، قیامت صفت ''کبریٰ'' کے ساتھ ذکر کرنے سے مقصود اس کی تخصیص ہے کہ اس سے مراد قیامت صغریٰ نہیں جو کہ موت کے وقت ہوتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے: ''من مات فقد قامت قیامته'' جو مر گیا تو اس کی قیامت آ چکی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قیامت کبریٰ کا بیان

قیامت کبریٰ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس دنیا کو نیست ونابود کرنے کا ارادہ کرے گا تو اسرافیل کو پہلی مرتبہ صور میں پھونک مارنے کا حکم دے گا، جس کے نتیجے میں آسمان وزمین کی ہر مخلوق بے ہوش ہوجائے گی سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ بے ہوش نہ ہوگا، زمین چٹیل میدان کے مانند، پہاڑ ریت کے ٹیلے کے مانند ہوجائیں گے، پھر وہ چیز ظاہر ہوگی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بالخصوص سورۂ تکویر اور انفطار میں ذکر فرمایا ہے۔ یہی اس دنیا کا آخری دن ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ آسمان کو حکم دے گا تو اس سے مردوں کے مادۂ منویہ کی شکل کی بارش ہوگی جو چالیس دن تک جاری رہے گی جس کے سبب لوگ اپنی اپنی قبروں میں عجب الذنب (ریڑھ کی ہڈی) سے مثل سبزہ کے اگنے شروع ہوں گے، ہر انسان بوسیدہ ہوچکا ہوگا سوائے اس پچھلی ہڈی کے۔ حتی کہ جب اللہ تعالیٰ ان کی تخلیق وترکیب مکمل کرلے گا تو دوسری مرتبہ صور میں پھونک مارنے کا حکم دے گا، جس کے سبب لوگ اپنی اپنی قبروں سے زندہ ہوکر کھڑے ہوجائیں گے۔ کافر ومنافق کہیں گے: ''﴿یاویلنا من بعثنا من مرقدنا﴾ ہائے ہماری بدبختی کس نے ہمیں ہماری قبروں سے اٹھادیا؟''۔ (یٰسین:۵۲)

اور مومن لوگ کہیں گے: ﴿ھذا ما وعد الرحمٰن وصدق المرسلون﴾ ''رحمٰن نے اسی کا تو وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا۔'' (یٰسین:۵۲)

پھر فرشتے انہیں ننگے پیر ننگے بدن اور غیر مختون ہونے کی حالت میں جمع کرکے میدان حشر کی طرف لے جائیں گے۔ حدیث کے بیان کے مطابق قیامت کے دن سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے، میدان حشر میں سورج بالکل لوگوں کے سر کے قریب ہوگا چنانچہ لوگ اپنے اپنے عمل کے اعتبار سے پسینے میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شرابور ہوں گے، بعض کے ٹخنوں تک، بعض کے گھٹنوں تک، بعض کے سینوں تک اور بعض کی پسلی کی ہڈی تک پسینہ بہہ رہا ہوگا، اور کچھ لوگ اللہ رب العزت کے سایہ تلے ہوں گے لوگ جب بالکل پریشان ہو جائیں گے تو انبیاء اور رسولوں سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں سفارش کرنے کی درخواست کریں گے کہ اللہ انہیں ان کی اس مصیبت سے نکال دے، لیکن یکے بعد دیگرے تمام انبیاء ورسل ان سے عذر کریں گے حتی کہ لوگ جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بات مان لیں گے اور سفارش کے لئے تیار ہو جائیں گے، اور ان کی سفارش بھی کریں گے، پھر لوگوں کو فیصلہ اور حساب وکتاب کے لئے لیجایا جائے گا وہاں پر میزان (ترازو) نصب کئے جائیں گے جن میں بندوں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ اور یہ میزان حقیقی میزان ہوگا، ہر ایک کا ایک دستہ اور دو پلڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کو جو کہ اعراض کی شکل میں ہیں ایسے اجسام میں بدل دے گا جن کا وزن ہوگا، چنانچہ ایک پلڑے میں نیکیاں تو دوسرے پلڑے میں برائیاں رکھی جائیں گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ونضع الموازين القسط ليوم القيامة فلا تظلم نفس شيئاً وان كان مثقال حبة من خردل أتينا بها وكفىٰ بنا حاسبين﴾ ''اور قیامت کے دن ہم عدل وانصاف کی ترازوئیں قائم کریں گے پس کسی آدمی پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی عمل ہوگا تو ہم اسے سامنے لائیں گے اور ہم حساب لینے کے لئے کافی ہیں''۔ (الانبیاء:۴۷)

پھر دواوین یعنی اعمال کے دفتر تقسیم ہوں گے، جس کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو اس کا حساب آسان ہوگا اور اپنے اہل میں خوشی خوشی جائے گا، لیکن جس کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں یا پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا تو وہ تباہی وبربادی کو آواز دے گا اور جہنم میں ڈھکیل دیا جائے گا، وہ شخص کہے گا: ﴿يا ليتني لم أوت كتابيه ولم ادر ماحسابيه﴾ ''اے کاش! مجھے میرا نامۂ اعمال نہ دیا گیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتا، اور مجھے معلوم نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے۔" (الحاقۃ: ۲۵، ۲۶)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ووضع الكتاب فترى المجرمين مشفقين مما فيه ويقولون ياويلتنا مالهذا لكتاب لايغادر صغيرة ولا كبيرة الا أحصاها ووجدوا ماعملوا حاضرا ولا يظلم ربك أحدا﴾ "اور نامۂ اعمال سامنے لایا جائے گا تو اس میں موجود بداعمالیوں کی وجہ سے تم مجرموں کو خوف زدہ دیکھو گے، وہ کہیں گے: اے ہماری بدنصیبی! اس کتاب کو کیا ہو گیا ہے کہ اس نے چھوٹے بڑے کسی گناہ کو بھی بغیر شمار کئے نہیں چھوڑا اور انہوں نے دنیا میں جو کچھ کیا ہوگا سامنے پائیں گے اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔" (الکہف : ۴۹)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وكل انسان الزمناه طائره في عنقه﴾ "اور ہم نے ہر آدمی کا نامۂ اعمال اس کی گردن میں لٹکا دیا ہے۔" (الاسراء : ۱۳)

امام راغب فرماتے ہیں کہ اس سے مراد انسان کا عمل ہے جو اس کی طرف سے صادر ہوتا ہے خواہ وہ اچھا ہو یا برا، لیکن بظاہر یہاں "طائر" سے اس دنیا کے اندر کا اس کا نصیب اور اس میں اس کے لئے مقرر کردہ رزق اور عمل مراد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: ﴿اولئك ينالهم نصيبهم من الكتاب﴾ یعنی "لوح محفوظ میں ان کے نصیب کا جو لکھا ہے وہ انہیں مل جائے گا" (الاعراف : ۳۷)

مؤلفؒ فرماتے ہیں: "اور اللہ تعالیٰ مخلوقات سے حساب و کتاب لے گا۔"

اس محاسبہ سے مراد یہ ہے کہ انہیں اور ان کے آباء واجداد کو ان کے اچھے اور برے اعمال یاد دلائے گا، جن کو اس نے شمار کر رکھا ہے جب کہ یہ لوگ بھول بیٹھے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ثم الى ربهم مرجعهم فينبئهم بما كانوا يعملون﴾ "پھر انہیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے پس وہ انہیں ان کے اعمال کی خبر دے گا"

(الانعام: ۱۰۸)

اور صحیح حدیث میں مذکور ہے "جس کا حساب سخت ہوا تو اسے عذاب دیا جائیگا"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے سوال کیا: اے اللہ کے رسول کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا ﴿فسوف یحاسب حسابا یسیراً﴾ ''سوان کا حساب آسان ہوگا۔''
(الانشقاق:۸)

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ''اس سے مراد تو بندوں پر ان کے اعمال کو پیش کر دینا ہے لیکن جس سے سخت باز پرس کیا گیا وہ ہلاک ہو جائے گا۔'' (متفق علیہ)

مؤلفؒ آگے فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو خلوت میں بلائے گا اور ان سے اپنے گناہوں کا اقرار کرائے۔

چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت منقول ہے، فرماتے ہیں:

''مومن بندہ اللہ سے قریب ہوگا اور اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتے ہوئے اس کا محاسبہ کرے گا، پھر بندہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرلے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے کہے گا کیا تم نے فلاں دن فلاں کام نہیں کیا تھا؟ کیا تم نے فلاں دن فلاں عمل نہیں کیا؟ حتیٰ کہ وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا جائے گا اسے یقین ہو جائے گا کہ اب ہلاکت سے بچ نہیں سکتا، لیکن اللہ تعالیٰ اس سے کہے گا: ''میں نے دنیا میں تم پر پردہ ڈال دیا تھا اور آج بھی تمہیں معاف کرتا ہوں۔''

کفار کے اعمال

کفار کے تذکرے میں صاحب کتاب نے فرمایا: ''اور کافروں سے حساب وکتاب ان کے اعمال کو ترازو میں تول کر نہیں کیا جائے گا کیونکہ ان کے پاس سوائے گناہ کے کوئی نیکی نہ ہوگی، ہاں! ان کے اعمال کا شمار کیا جائے گا انہیں ان سے آگاہ کیا جائے گا اور اقرار کروایا جائے گا۔

قیامت کے دن کفار کے پاس کوئی نیکی نہ ہوگی، اس کی دلیل ہے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناه هباء ا منثوراً﴾

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اورانہوں نے دنیا میں جو عمل کیا ہوگا ہم اس کی طرف متوجہ ہوں گے اور اسے اڑتا ہوا غبار بنادیں گے۔" (الفرقان:۲۳)

دوسری جگہ اس کا فرمان ہے ﴿مثل الذین کفروا بربھم اعمالھم کرماد اشتدت به الریح فی یوم عاصف لایقدرون مما کسبوا علی شیء﴾ "جن لوگوں نے اپنے رب کا انکار کردیا ان کے اعمال کی مثال اس راکھ کی ہے جسے ایک تیز آندھی کے دن ہوا اڑا کر لے جائے، اپنی کمائی کا کچھ بھی حصہ نہ بچا سکیں گے۔"

(ابراہیم : ۱۸)

صحیح اور درست بات یہ ہے کہ خیر کے وہ اعمال جنہیں کفار انجام دیتے ہیں اس دنیا میں ہی ان کا بدلہ دے دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ جب قیامت کے دن وہ آئیں گے تو اپنی نیکیوں کا صحیفہ بالکل خالی پائیں گے۔

ایک رائے یہ بھی ہے کہ کافروں کی نیکیاں کفر کے علاوہ دوسرے گناہوں کے عذاب کو ہلکا کردیں گی۔

حوض کوثر کا بیان

اس کے بعد مؤلفؒ نے حوض کوثر کا ذکر کیا ہے، اس حوض کے سلسلے میں وارد احادیث حد تواتر تک پہونچی ہوئیں ہیں، تقریباً تیس سے زائد صحابہ کرام سے یہ احادیث مروی ہیں۔ اس حوض کا منکر قیامت کے دن اس کے ذریعے سیراب ہونے سے محروم ہوسکتا ہے جب کہ وہ شدید پیاس کا دن ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے کہ: ہر نبی کو ایک حوض دیا گیا ہے لیکن ہمارے نبی کا حوض وسعت کے اعتبار سے سب سے بڑا اور اس کا پانی سب سے زیادہ میٹھا اور اس کے ذریعے سے سیراب ہونے والے لوگ بھی سب سے زیادہ ہوں گے۔..... اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں اس حوض سے سیراب ہونے والوں میں جگہ دے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پل صراط کا بیان

یہاں مؤلفؒ صراط کا تذکرہ کر رہے ہیں۔اس کا لغوی معنی ہے کشادہ راستہ اس کو صراط کہنے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ راستہ پر چلنے والے کو راستہ نگل لیتا ہے۔اس لفظ کا استعمال معنوی راستے کے لئے بھی ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:﴿ وأن هـــــذا صراطي مستقيماً فاتبعوه﴾ ''اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے سوتم اسی کی پیروی کرو۔''

(الانعام:۱۵۳)

آخرت کا صراط جو کہ جنت وجہنم کے درمیان جہنم کی پشت پر پھیلا ہوا ایک پل ہے اس کا بلا شک وشبہ حقیقی وجود ہے کیونکہ اس کے اثبات کے سلسلے میں بہت سی احادیث مروی ہیں جو شخص اس دنیا میں اللہ کے اس راستے پر جو کہ اس کا سچا اور خالص دین ہے ثابت قدم رہا تو وہ آخرت میں موجود اس راستے پر بھی ثابت قدم رہے گا،حدیث میں پل صراط کی ہیئت یوں بیان ہوئی ہے کہ یہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے بھی زیادہ تیز ہوگا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند خصائص

یہاں مؤلفؒ نے تمام انبیائے کرام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ سب سے پہلا شخص جو جنت میں دروازہ کھلوائے گا وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے فرد ہوں گے جو در جنت کے حلقے کو کھلوانے کے لئے اس پر دستک دیں گے،جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''روز قیامت میں تمام انسانوں کا سردار ہوں گا اور اس پر مجھے کوئی فخر نہیں،میں سب سے پہلے اپنی قبر سے باہر آؤں گا اس پر بھی مجھے کوئی فخر نہیں،میں ہی سب سے پہلے جنت کے دروازے پر دستک دوں گا پھر اس میں داخل ہو جاؤں گا پھر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس میں میرے ساتھ میری امت کے فقراء داخل ہوں گے۔''

یعنی انبیاء اور رسولوں کے داخلے کے بعد اس امت کے فقراء جنت میں سب سے پہلے داخل ہوں گے۔

شفاعت کا بیان اور منکرین کا رد

اس کے بعد مؤلفؒ نے شفاعت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قیامت کے دن تین طرح کی شفاعتیں ہوں گی۔''

شفع کا لغوی معنی ہے ''جوڑنا اور ضم کر دینا'' سفارش کرنے والے کو شافع کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی طلب ودرخواست کو اس شخص کی طلب ودرخواست کے ساتھ ملا دیتا ہے جس کے لئے وہ سفارشی بنتا ہے۔

شفاعت وسفارش کتاب وسنت سے ثابت شدہ امور میں سے ہے اس کے اثبات کے سلسلے میں وارد احادیث متواتر ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿من ذاالذی یشفع عندہ الا باذنہ﴾ ''کون ہے جو اس کی جناب میں بغیر اس کی اجازت کے کسی کے لئے سفارش کرے۔''

یہاں آیت میں بلا اجازت شفاعت کی نفی سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ اجازت کے بعد شفاعت کا وجود ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے متعلق فرماتا ہے:

﴿وکم من ملک فی السماوات لاتغنی شفاعتھم شیئا الا من بعد أن یأذن اللہ لمن یشاء ویرضیٰ﴾

''اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ کام نہیں آئے گی، مگر اللہ کی اجازت کے بعد، جس کے لئے وہ چاہے گا اور سفارش کو پسند کرے گا۔'' (النجم: ۲٦)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شفاعت صحیحہ کا تذکرہ فرمایا ہے اور شفاعت صحیحہ وہ ہے جو اللہ کی اجازت کے بعد اس شخص کے حق میں ہوگی جس کے قول وعمل سے وہ راضی ہو جائے گا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاں تک سوال ہے ان تمام آیات کا جن کے ذریعے خوارج اور معتزلہ شفاعت کی نفی اور اس کے عدم وجود پر استدلال کرتے ہیں۔ مثلاً:

اللہ تعالیٰ کا یہ قول ﴿فما تنفعهم شفاعة الشافعين﴾

''پس شفاعت کرنے والوں کی شفاعت ان کے کام نہیں آئے گی''۔ (المدثر: ۴۸)

﴿و لا يقبل منها عدل و لاتنفعها شفاعة﴾

''اور نہ کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ کوئی سفارش کام آئے گی''۔ (البقرہ: ۱۲۳)

﴿فما لنا من شافعين﴾

''ہمارے لئے کوئی سفارش کرنے والا نہیں'' (الشعراء)

تو ان تمام آیات میں جس شفاعت کی نفی کی گئی ہے وہ ہے مشرکین کے حق میں شفاعت، نیز اس میں اس شفاعت کی بھی نفی کی گئی ہے جسے مشرکین اپنے بتوں کے لئے اور نصاریٰ عیسیٰ اور اپنے راہبوں کے لئے ثابت کرتے ہیں۔ اس کا تعلق اس شفاعت سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی اجازت اور اس کی مرضی سے نہ ہو۔

مؤلف فرماتے ہیں کہ ''پہلی شفاعت، میدان حشر میں حساب وکتاب اور فیصلہ شروع کرنے کے سلسلے میں ہوگی۔'' یہ وہ شفاعت ہے جسے شفاعت عظمیٰ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اور یہی وہ مقام محمود ہے جس پر تمام انبیاء کو رشک ہے اور یہی ہے وہ مقام جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کرنے کا اپنے اس قول میں وعدہ کیا ہے: ﴿عسىٰ أن يبعثك ربك مقاماً محموداً﴾ ''امید ہے کہ تمہارا رب تمہیں مقام محمود پر پہونچا دے گا۔'' (الاسراء: ۷۹)

یعنی ایک ایسا مقام جس کی وجہ سے میدان حشر میں موجود تمام لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کریں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے کہ ہم جب اذان سنیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے بعد یہ کہیں:

''اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلاة القائمة آت محمدا الوسيلة

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والفضيلة وابعثه مقاماً محموداً الذی وعدته"

"اے اللہ! اس پوری دعا اور کھڑی ہونے والی نماز کے رب، تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت عنایت فرما، اور انہیں اس مقام محمود میں بھیج جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔"

مؤلفؒ فرماتے ہیں: "دوسری شفاعت اہل جنت کے لئے ہوگی تاکہ انہیں اس میں داخلے کی اجازت دی جائے" ....یعنی یہ لوگ اگر چہ کہ دخول جنت کے مستحق ہو چکے ہوں گے لیکن انہیں اس میں داخلے کی اجازت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے بعد ہی ملے گی۔

مؤلفؒ کہتے ہیں کہ "یہ دونوں شفاعتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہیں" ....یعنی ایک شفاعت میدان حشر میں موجود لوگوں کے حق میں اور دوسری اہل جنت کے لئے تاکہ وہ اس میں داخل ہو جائیں۔ اور انہی دونوں شفاعتوں میں ایک تیسری شفاعت بھی شامل ہے اور یہ بعض مشرکین سے ان کے عذاب میں تخفیف کرنے کے سلسلے میں ہوگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کے حق میں شفاعت کریں گے چنانچہ وہ آگ کے ایک ہلکے سے حصے میں ہوں گے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔

مؤلفؒ آگے فرماتے ہیں: "تیسری شفاعت ان مومن بندوں کے حق میں ہوگی جو اپنے گناہوں کے سبب جہنم میں جانے کے مستحق ہو چکے ہوں گے" ....یہی وہ شفاعت ہے جس کا معتزلہ اور خوارج انکار کرتے ہیں کیونکہ ان کا مسلک یہ ہے کہ جو جہنم کا مستحق ہو گیا تو وہ اس میں ضرور داخل ہو کر رہے گا اور جو جہنم میں داخل ہو گیا تو اس سے باہر نہیں نکل سکتا نہ تو شفاعت کے ذریعے سے اور نہ ہی کسی اور ذریعے سے۔ جب کہ متواتر احادیث ان کے اس خیال کی تردید اور ان کے اس موقف کو باطل قرار دے رہی ہیں۔

مؤلفؒ فرماتے ہیں کہ: "وہ تمام اصناف جو دار آخرت سے متعلق ہیں مثلاً حساب و کتاب، ثواب و عذاب، جنت جہنم وغیرہ پر (ان پر ایمان لانا چاہئے) ان کی تفصیلات کا ذکر آسمانی کتابوں اور انبیاء سے مروی علوم و معارف موجود ہے، اور آپ صلی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ علیہ وسلم سے منتقل علم میں اس سلسلے میں شافی اور کافی باتیں موجود ہیں، جو اسے پڑھے اسے اطمینان وسکون نصیب ہو کر رہے گا۔"

یہ بات واضح رہے کہ اعمال کی جزا اور اس کا بدلہ خواہ اعمال اچھے ہوں یا برے عقل کے ذریعے ثابت ہے بالکل اسی طرح جس طرح سماع سے، اس سے اللہ نے اپنی کتاب میں بہت سی جگہوں پر آگاہ کیا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ أفحسبتم أنما خلقناكم عبثا وأنكم الينا لاترجعون ﴾ "کیا تم یہ گمان کئے بیٹھے ہو کہ ہم نے تمہیں بے کار پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف دوبارہ لوٹائے نہیں جاؤ گے" (المومنون:۱۱۵)

﴿أيحسب الانسان أن يترك سدىً﴾

"کیا انسان گمان کرتا ہے کہ اسے بے کار چھوڑ دیا جائے گا" (القیامۃ:۳۶)

اس کی وجہ یہ ہے کہ حکیم کی حکمت کے لئے یہ زیبا نہیں کہ لوگوں کو بے کار و بے مقصد چھوڑ دے، نہ تو انہیں کسی کام کا حکم دے اور نہ کسی چیز سے روکے، اور اسی طرح نہ تو انہیں ثواب دے اور نہ ہی مواخذہ کرے، نیز اس کے عدل اور اس کی حکمت کو بھی یہ بات زیب نہیں دیتی کہ مومن اور کافر، نیک اور فاجر سب کو ہم پلہ اور ایک درجہ کا بنا دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿أم نجعل الذين آمنوا وعملوا الصالحات كالمفسدين في الأرض أم نجعل المتقين كالفجار﴾ "کیا ہم ایمان اور عمل صالح کرنے والوں کو ان لوگوں جیسا بنا دیں گے جو زمین میں فساد پھیلانے والے ہیں، یا ہم اللہ سے ڈرنے والوں کو فاجروں جیسا بنا دیں گے۔" (ص : ۲۸)

چنانچہ عقل سلیم اسے تسلیم ہی نہیں کرتی بلکہ شدت کے ساتھ اس کا انکار کرتی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں مطیع وفرماں برداروں کی عزت اور ان کا اکرام کرکے اور سرکش لوگوں کو ذلیل ورسوا کرکے انہیں اپنے اس اصول سے آگاہ کر دیا ہے، جہاں تک سوال ہے جزاؤں کی تفاصیل اور ان کی مقدار کا تو اس کا ادراک صرف سمع سے ہی ممکن ہے اور ان روایات سے جو اس نبی معصوم سے منقول ہیں جو اپنی رائے سے کبھی نہیں بولتا۔ صلی اللہ علیہ وسلم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تقدیر پر ایمان اور اس کے درجات

بھلی و بری تقدیر کے من جانب اللہ ہونے پر ایمان ان چھ امور میں سے ایک ہے جن پر ایمان کی بنیاد کا دارومدار ہے۔ جیسا کہ حدیث جبریل اور اس کے علاوہ دوسری احادیث سے ثابت ہے نیز اس کے اثبات کے سلسلے میں کتاب اللہ کی آیات بھی بالکل واضح اور صریح ہیں۔

مؤلفؒ نے بیان کیا کہ ایمان بالقدر کے دو درجات ہیں اور دونوں میں سے ہر ایک دو چیزوں پر مشتمل ہے۔ درجہ اول جس پہلی چیز پر مشتمل ہے وہ ہے اللہ تعالیٰ کے قدیم اور تمام اشیاء کا احاطہ کرنے والے علم کا اثبات، اللہ تعالیٰ اپنے اس علم قدیم کے ذریعہ جس سے وہ ازلی اور ابدی طور پر موصوف ہے مخلوق کے آئندہ اعمال سے آگاہ تھا۔ اس کا تعلق انہیں امور سے ہے جسے وہ ازلی طور پر جانتا ہے، مخلوق کے جملہ احوال خواہ ان کا تعلق طاعات سے ہو یا معاصی سے، خواہ ان کا تعلق مخلوق کے رزق سے ہو یا ان کی مقررہ مدت سے، وہ سب کے تعلق سے علم رکھتا ہے۔ چنانچہ اعیان واوصاف کے سلسلے میں پائی جانے والی ہر شئ اور واقع ہونے والا ہر فعل اور ہر واقعہ یہ سب اسی کیفیت کے مطابق ہیں جسے وہ ازلی طور پر جانتا ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ اس نے ان سب کو لکھ رکھا ہے اور لوح محفوظ میں ریکارڈ کر رکھا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی تقدیریں، موجودات کی قسموں اور ان کی کیفیات نیز ان کے تحت ہونے والے تمام احوال واوصاف وافعال اور ہر قسم کے چھوٹے اور بڑے امور وغیرہ ان تمام سے واقف اور باخبر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی قلم کو انہیں لکھ رکھنے کا بھی حکم دے چکا ہے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیروں کو آسمان وزمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے ہی مقرر و متعین کر رکھا ہے اس کا عرش اس وقت پانی پر تھا۔“

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس حدیث میں جسے مؤلفؒ نے ذکر کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے سب سے پہلے قلم کی تخلیق فرمائی، پھر اس نے اس سے کہا: لکھ دے! قلم نے پوچھا: ''کیا لکھوں؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہر وہ شئ لکھ دے جو قیامت تک واقع ہونے والی ہے'' ....

''اول ماخلق اللہ القلم '' میں ''اول'' ظرفیت کی بنیاد پر نصب ہے اس میں عامل ''قال'' ہے اسے رفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں ''اول'' مبتدا اور ''القلم'' اس کی خبر ہوگی۔

علماء کے درمیان عرش اور قلم کو لیکر اختلاف ہے کہ ان دونوں مین پہلے کس کی تخلیق ہوئی۔ علامہ ابن القیم نے اس سلسلے میں دوقول بیان کئے ہیں اور یہ موقف اختیار کیا ہے کہ قلم سے پہلے عرش کی تخلیق ہوئی ہے۔ فرماتے ہیں:

والناس مختلفون فی القلم الذی ۔۔۔ کتب القضاء بہ من الدیان

ھل کان قبل العرش أو ھو بعدہ ۔۔۔ قولان عندأبی العلا الھمدانی

والحق أن العرش قبل لأنہ ۔۔۔ وقت الکتابۃ کان ذا أرکان

وکتابۃ القلم الشریف تعقبت ۔۔۔ ایجادہ من غیر فصل زمان

''اس قلم کے سلسلے میں لوگ مختلف فیہ ہیں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی جانب سے تقدیر لکھی گئی کہ آیا اس کی تخلیق عرش سے پہلے ہے یا اس کے بعد، ابو العلا الہمدانی کے نزدیک اس سلسلے میں دوقول ہیں، صحیح بات یہ ہے کہ عرش کی تخلیق قلم سے پہلے ہے کیونکہ کتابت تقدیر کے وقت یہ پہلے سے موجود تھا اور قلم کی کتابت اس کے بعد عمل میں آئی البتہ تخلیق عرش کے فوراً بعد اس کی تخلیق ہوئی۔''

قلم جب قیامت تک واقع ہونے والی ہر شئ لکھ چکا ہے تو کائنات میں جو کچھ بھی ظاہر و واقع ہوتا ہے تو وہ لوح محفوظ میں مکتوب کے مطابق ہی ہوتا ہے، گویا انسان نے جو کچھ درست کیا اسے غلط نہیں کرسکتا تھا اور جو کام اس نے غلط کیا وہ اسے درست نہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر سکتا تھا۔ جیسا کہ ابن عباسؓ وغیرہ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

اور یہ تقدیر جو کہ اللہ تعالیٰ کے قدیم علم کے تابع ہے کبھی بالجملہ ہوتی ہے جیسا کہ لوح محفوظ میں ہے کیونکہ اس میں ہر شئ کی تقدیر نوشتہ ہے، اور بہت سی جگہوں میں بالتفصیل جو ہر فرد کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے، مثلاً ان چاروں کلمات میں جسے فرشتہ جن میں روح پھونکنے کے وقت لکھنے کی غرض سے آتا ہے اور اس بچے کے رزق، دنیا میں رہنے کی اس کی معینہ مدت، اس کے عمل اور اس کی خوش بختی و بدبختی کے تعلق سے لکھ دیتا ہے، یہ خاص تقدیر ہے،..... اشیاء کے وجود سے پہلے لکھی جانے والی اس تقدیر کا ''قدریہ'' سے تعلق رکھنے والے غلو پسند حضرات پہلے ہی انکار کر چکے تھے، اور اس کے منکرین اول کی فہرست میں معبد الجہنی اور غیلان الدمشقی کا نام سرفہرست ہے۔ یہ لوگ کہا کرتے تھے: ''امر کا وجود کسی پیشگی تقدیر کے پہلے پہل ہو رہا ہے''... اور تقدیر کے اس درجے کا انکار کرنے والا کافر ہے کیونکہ اس نے جان بوجھ کر ایسی واجبی شئ کا انکار کیا ہے جو کہ کتاب سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔

رہا تقدیر کا دوسرا درجہ تو یہ بھی دو چیزوں پر مشتمل ہے:

پہلی چیز ہے اللہ تعالیٰ کی عام مشیئت پر ایمان، یعنی وہی کچھ ہوتا ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور جو اس نے نہیں چاہا وہ نہیں ہوتا۔ اس کے ملک میں اس شئ کا وجود ہی ممکن نہیں جسے وہ نہ چاہتا ہو، بندوں کے افعال، خواہ ان کا تعلق طاعات سے ہو یا معاصی سے وہ اس کی اسی مشیئت عامہ کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اور کوئی بھی شئ اس کی اس مشیئت سے باہر نہیں۔ خواہ ان کا تعلق ان امور سے ہو جسے اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور جس سے راضی وخوش ہوتا ہے یا ان امور سے نہ ہو۔

دوسری چیز یہ کہ اس بات پر ایمان رکھا جائے کہ تمام اشیاء اللہ کی قدرت کے نتیجے میں ہی وجود پذیر ہوتی ہیں ہر شئ اس کی مخلوق ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا ان اشیاء کی تخلیق کرنے والا ہے ہی نہیں۔ خواہ وہ بندوں کے افعال ہوں یا کوئی اور شئ ان کے مابین کوئی تفریق نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ واللہ خلقکم وما تعملون ﴾

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''تمہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو انہیں اللہ نے پیدا کیا ہے''۔ (الصافات :٩٦)

امر شرعی پر بھی یہ ایمان رکھنا واجب ہے اور اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مکلّف بنایا ہے چنانچہ اس نے انہیں اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کرنے کا حکم دے رکھا ہے اور نافرمانی کرنے سے روک رکھا ہے۔ تمام اشیاء کے لئے اس کی عام مشیئت سے جو احکام ثابت ہیں ان کے اور مشیئت ہی کی بنا پر اس کے اوامر ونواہی کے ذریعے بندوں کو مکلّف بنانے کے مابین کسی قسم کا تصادم وتضاد نہیں ہے کیونکہ اس کی مشیئت بندے کی آزادی اور اقدام فعل کے سلسلے میں ان کے اختیار وقدرت کے منافی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے مشیئت کی ان دونوں قسموں کو اس آیت میں ایک ساتھ جمع کر کے ذکر کیا ہے:

﴿لمن شاء منكم أن يستقيم وما تشاؤن الا أن يشاء الله رب العالمين﴾ ''تم میں سے ان لوگوں کے لئے (قرآن ایک نصیحت ہے) جو راہ راست پر چلنا چاہیں، اور تم کچھ چاہ نہیں سکتے جب تک کہ اللہ نہ چاہے، جو رب العالمین ہے۔'' (التکویر:٢٨، ٢٩)

اسی طرح اس کی اس مشیئت اور اس کی رضا وپسند سے تعلق رکھنے والے امور شرعیہ کے مابین کسی قسم کا تلازم نہیں۔ کبھی ایسا بھی ممکن ہے کہ اس کی مشیئت اس چیز سے متعلق ہو جسے وہ پسند نہیں کرتا اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ وہ کسی شئ کو پسند کرتا ہو لیکن اس کے ہونے میں اس کی مشیئت شامل نہ ہو۔ پہلے کی مثال: ابلیس اور اس کی ذریت کے وجود میں اللہ کی مشیئت کا وجود۔ دوسرے کی مثال: اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ کافر مومن ہوجائے۔ فاجر مطیع وفرماں بردار ہوجائے۔ ظالم عدل وانصاف کرنے لگیں، فاسق توبہ کرلیں۔ اگر اس کی مشیئت ہوتی تو یہ ساری باتیں وقوع پذیر ہوجاتیں اس لئے کہ وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔

اسی طرح اللہ کے تمام اشیاء کا خالق ہونے اور بندے کا اپنے فعل کے انجام دینے کے مابین کسی قسم کا تصادم نہیں ہے کیونکہ بندہ اپنے فعل کے سبب ہی مومن کافر یا نیک وبد بنتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ اس کا اور اس کے فعل کا بھی خالق ہے کیونکہ وہی ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس نے اس کے اندر "قدرت اور ارادہ" جیسی دو چیزیں پیدا کی ہیں جن کے ذریعے وہ اپنے فعل کو انجام دیتا ہے۔

علامہ شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر آل سعدیؒ فرماتے ہیں:

"بندہ جب نماز پڑھتا ہے روزہ رکھتا ہے یا کوئی بھی اچھا یا برا عمل کرتا ہے تو وہی اس اچھے یا برے کام کا کرنے والا ہوتا ہے اور اس کا یہ تمام فعل بغیر کسی شک وشبہ کے اسی کے اختیار سے انجام پذیر ہوتا ہے اور اسے اس بات کا احساس بھی ہوتا ہے کہ وہ اس کے کرنے یا چھوڑنے پر مجبور نہیں ہے۔ اگر وہ چاہتا تو کرتا ہی نہیں، اور حقیقت بھی یہی ہے جس کی وضاحت کتاب وسنت میں بھی موجود ہے۔ نیک یا برے اعمال کو بندے کی طرف ہی منسوب کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ بندے ہی اسے انجام دینے والے ہیں۔ اور کتاب وسنت میں اس بات کی بھی خبر دی گئی ہے کہ عمل کی بنیاد پر ہی بندے کی ستائش کی جاتی ہے اگر اس کا عمل نیک ہے تو اس پر ثواب بھی مرتب ہوتا ہے۔ اور اسی عمل کی بنیاد پر ہی لوگ قابل مذمت بھی بنتے ہیں اگر عمل برا ہو ،اور اس برے عمل کے سبب ان کا مواخذہ اور ان کی گرفت بھی ہوتی ہے۔

بات بالکل اچھی طرح واضح ہوچکی ہے کہ بندوں کے اعمال کا صدور انہی کے اختیارات سے ہوتا ہے جب چاہیں کسی فعل کو انجام دیں اور جب چاہیں چھوڑ دیں۔ یہ چیز عقلی وحسی طور پر بھی ثابت شدہ ہے اور شرعی ومشاہداتی طور پر بھی۔

اس کے باوجود بھی اگر آپ یہ جاننا چاہیں کہ تمام افعال واعمال جو اگر چہ کہ بندوں کی جانب سے واقع ہوتے ہیں اس میں تقدیر کا دخل کس طرح ہے؟ اور یہ تمام افعال واعمال کس طرح مشیئت الٰہی کے تابع وماتحت ہیں؟ تو سوال یہ ہے کہ کس چیز کے ذریعے بندوں سے اچھے یا برے اعمال صادر ہوتے ہیں؟ تو اس کا یہی جواب ہوگا کہ بندوں کی اپنی قدرت اور ان کے اپنے ارادے سے! اس کا اعتراف ہر شخص کرتا ہے۔ تو پھر سوال یہ ہے کہ ان کی قدرت اور ان کے ارادے ومشیئت کا خالق کون ہے؟ تو اس کا جواب یہی ہے جس کا اعتراف ہر شخص کرے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کی قدرت اور ان کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ارادے کا خالق ہے۔ اور وہی ہے جس نے ان کے افعال کے وجود میں آنے کے ذرائع کو پیدا کیا ہے تو گویا وہی ان کے افعال کا بھی خالق ہوا۔ یہی وہ جواب ہے جس سے تمام پیچیدگیاں حل ہو جاتی ہیں اور ایک بندہ قضا وقدر اور اختیار کے اجتماع کو دل سے تسلیم کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مختلف اسباب والطاف اور مختلف اعانتوں سے بھی نوازتا ہے اور ان کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو بھی دور کرتا ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص نیک بختوں میں سے ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اہل سعادت کے عمل کی راہ آسان کر دیتا ہے۔''

اور اسی طرح فاسقوں کو بے یار ومددگار چھوڑ کر انہیں انہیں کے حوالے کر دیتا ہے یعنی انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے کیونکہ یہ لوگ نہ تو اس پر ایمان لائے اور نہ ہی اس پر توکل وبھروسہ کیا چنانچہ انہیں مشکلات میں مزید الجھا دیا جن میں وہ پہلے ہی سے پھنسے ہوئے تھے۔

تقدیر اور افعال عباد کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت کے مذہب کا خلاصہ جس پر کتاب وسنت کے نصوص دلالت کرتے ہیں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام اشیاء مثلاً اعیان، اوصاف اور افعال وغیرہ کا خالق ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت بالکل عام ہے جو تمام کائنات کو شامل ہے کائنات میں کوئی بھی تصرف اس کی مشیئت کے سبب ہی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے نتیجے میں اشیاء کی تخلیق کا عمل ان اشیاء کے سلسلے میں اس کے علم قدیم اور لوح محفوظ میں اس کے نوشتۂ تقدیر کے مطابق ہی ہوتا ہے۔

بندوں کو ایک قسم کی قدرت بھی حاصل ہے اور ارادہ بھی جن کے ذریعے ان کے افعال وجود میں آتے ہیں اور یہی بندے اپنے اختیار کے مطابق اپنے افعال کو انجام دیتے ہیں، اور اپنے انہیں افعال کی بنیاد پر یہ لوگ جزا کے بھی مستحق ہوتے ہیں خواہ تعریف اور ثواب کی صورت میں یا مذمت وسزا کی شکل میں۔ اور فعلی طور پر ان افعال کی بندوں کی طرف نسبت، ایجادی اور خلقی طور پر اللہ کی طرف ان کی نسبت کے منافی نہیں ہے کیونکہ وہی ان تمام اسباب کا خالق ہے جن کے ذریعے بندوں سے ان کے افعال وجود پذیر ہوئے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تقدیر کے منکرین

اسی تقدیر کے مسئلے میں دو فریق گمراہ ہوئے، جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ پہلا فریق قدریہ یعنی منکرین تقدیر کا ہے، یہی لوگ اس امت کے مجوس کہلاتے ہیں جیسا کہ اس کا ذکر بعض مرفوع اور موقوف احادیث میں موجود ہے۔ یہ لوگ تفریط اور انکار تقدیر کے سبب گمراہ ہوئے۔ یہ لوگ یہ سمجھ بیٹھے کہ بندوں کے اپنے افعال کو انجام دینے کے اختیارات اور ان امور کے تعلق سے ان کی مسئولیت جو قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عام تخلیق ومشیئت جس پر نصوص دال ہیں مابین جمع وتطبیق ممکن نہیں کیونکہ ان کے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ کی تخلیق ومشیئت اپنے فعل کے سلسلے میں بندوں کی مسئولیت کو باطل اور پابندی وذمہ داری کو ساقط کر رہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے امر ونہی کے پہلو کو فوقیت دیتے ہوئے خلق ومشیت کے عموم پر دلالت کرنے والے نصوص کو افعال عباد سے الگ کر کے یہ ثابت کر دیا کہ بندہ اپنی قدرت اور اپنے ارادے کے سبب اپنے افعال کا خود خالق ہے۔ گویا کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ ایک اور خالق تسلیم کر لیا، جس کے سبب یہ لوگ اس امت کے مجوس کہلائے کیونکہ مجوس بھی یہ گمان کرتے ہیں کہ شر اور تکلیف دہ اشیاء کا خالق شیطان ہے۔ چنانچہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شیطان کو بھی خالق مان لیا۔ اسی طرح یہ لوگ بھی اللہ کے ساتھ اس کے بندوں کو بھی خالق تسلیم کرتے ہیں۔

دوسرا گمراہ گروہ وہ ہے جسے ''جبریہ'' کہا جاتا ہے۔ انہوں نے تقدیر کے اثبات میں اس قدر غلو پسندی سے کام لیا کہ اس بات کے منکر ہو گئے کہ بندے کے لئے بھی کوئی حقیقی فعل ثابت ہے۔ بلکہ ان کے خیال کے مطابق بندے کو نہ تو کسی قسم کی آزادی حاصل ہے اور نہ ہی کسی قسم کا اختیار وفعل، ان کے نزدیک انسان کی حیثیت بالکل پرندے کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس پر کی سی ہے جو تند و تیز ہوا کے جھونکوں میں پھنسی ہوئی ہو، ان کے خیال کے مطابق بندوں کی طرف افعال کی نسبت مجازی ہے یعنی ایک بندے کی طرف نماز، روزہ، قتل اور چوری وغیرہ کی نسبت وہی ہے جیسی سورج کی طرف اس کے طلوع ہونے، ہوا کی طرف اس کے چلنے اور بارش کی طرف اس کے نازل ہونے کی نسبت کی جاتی ہے۔ یہ لوگ اپنے اس نقطۂ نظر کے سبب اللہ تعالیٰ پر ظلم، تکلیف مالا یطاق اور نا کردہ گناہ کی سزا دینے کا الزام لگاتے ہیں۔ نیز ان حضرات نے بندوں کے مکلّف کیے جانے کے سلسلے میں ان کے ساتھ مذاق و لغو کرنے کا الزام عائد کیا ہے۔ اور ساتھ ہی امر و نہی کی حکمتوں کا بھی انکار کر دیا ہے۔ کیا ہی برا ہے ان کا فیصلہ!

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایمان کے باب میں اہل سنت کا موقف

مسئلہ اسماء واحکام کی بحث میں ہم نے اس کا تذکرہ کیا ہے کہ اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ ایمان زبان سے اقرار، دل سے اعتقاد اور دین کے جملہ ارکان پر عمل کرنے کا نام ہے اور یہ تینوں امور ایمان میں داخل ہیں گویا مکمل دین ہی ایمان ہے، خواہ ظاہری ہوں یا باطنی، اس کے اصول ہوں یا فروع، ایمان کے لفظ کا اطلاق اسی وقت ممکن ہے جب اس میں یہ تمام امور جمع ہو جائیں ان میں سے کوئی بھی شئ مفقود نہ ہو، چونکہ اعمال واقوال دونوں ہی ایمان میں داخل ہیں اس لئے اس میں نقص واضافہ ہوسکتا ہے۔ اطاعت وفرماں برداری کے کاموں سے ایمان میں اضافہ اور ارتکاب معاصی سے اس میں نقص واقع ہوتا ہے جیسا کہ کتاب سنت کے صریح دلائل سے ثابت ہے نیز مشاہدہ بھی یہی بتلاتا ہے کہ مومنین کے عقائد اور ان کے ظاہری و باطنی اعمال میں تفاوت ہے۔

ایمان میں نقص واضافہ ہونے کے سلسلے میں بہت سے دلائل ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں: اللہ تعالیٰ نے مومنین کو تین طبقات میں منقسم کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ثم اورثنا الكتاب الذين اصطفينا من عبادنا فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخيرات باذن الله﴾ ''پھر ہم نے کتاب کا وارث اپنے برگزیدہ بندوں کو بنایا تو ان میں سے بعض نے اپنے اوپر ظلم کیا اور بعض نے اعتدال کی راہ اختیار کی، اور بعض نے اللہ کی توفیق سے نیکیوں اور بھلائیوں کی طرف سبقت کی۔'' (فاطر: ۳۲)

خیر کے کاموں میں پہل کرنے والے وہ لوگ ہیں جو واجبات اور مستحبات دونوں کو ادا کرتے ہوئے محرمات اور مکروہ کاموں سے بھی اجتناب کرتے رہے اور انہی لوگوں کا شمار مقربین میں ہوتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''مقتصد'' وہ لوگ ہیں جو صرف واجبات کی ادائیگی اور محرمات سے اجتناب کرتے رہے۔ اور اپنے اوپر ظلم کرنے والے وہ لوگ ہیں جنھوں نے بعض محرمات کا ارتکاب کرلیا اور اپنے اصل ایمان کو باقی رکھتے ہوئے صرف واجبات کی ادائیگی کردی۔

ایمان میں نقص واضافے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ایمان کے علوم کے سلسلے میں بھی مومنین کے درجات متفاوت ہیں۔ ان میں کچھ لوگ تو ایسے ہیں جن کے پاس ایمان کی مکمل تفاصیل اور عقائد کا ایک کثیر حصہ پہونچا جن کے ذریعے ان کے ایمان میں اضافہ ہوا اور ان کا یقین بھی پختہ ہوا، اور انہیں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو ان سے کم تر ہیں یہاں تک کہ ان کے بعض حضرات کی حالت یہاں تک پہونچ گئی کہ ان کے پاس صرف اجمالی ایمان ہی رہ گیا اس کی تفصیل کی توفیق نہ ہوسکی مگر اس کے باوجود بھی وہ مومن ہی رہے۔ اسی طرح یہ لوگ بہت سی چیزوں مثلاً ظاہری وباطنی اعمال اور طاعات کی کثرت وقلت میں بھی متفاوت ہیں۔

رہے وہ لوگ جن کا مذہب یہ ہے کہ مجرد تصدیق بالقلب کا نام ایمان ہے اس کے اندر نقص واضافہ کے قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کا خیال ہے، ان کی دلیل وہی نصوص ہیں جن کا ہم نے تذکرہ کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں اس کا سب سے بڑا شعبہ ہے لاالٰــہ الا اللہ کا اقرار، اور سب سے ادنیٰ شعبہ ہے مضر اشیاء کو راستے سے دور کرنا۔''

باوجودیکہ ایمان قول وعمل اور اعتقاد کا مجموعہ ہے ان تمام کا درجہ ایک نہیں ہے بلکہ ایمان میں اصل حیثیت عقائد کی ہے۔ چنانچہ جو شخص ان میں سے کسی ایک کا انکار کردے جن پر ایمان رکھنا واجب ہے مثلاً اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں یا آخرت کے دن یا ان چیزوں میں سے کسی ایک کا انکار کردے جنھیں انجام دینا یا جن سے بچنا ضروری ہے مثلاً وجوب صلاۃ، وجوب زکاۃ، حرمت زنا اور حرمت قتل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وغیرہ میں سے کسی کا انکار کردے تو وہ کافر ہے، انکار کرنے والا اس انکار کی وجہ سے ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔

رہا ملت اسلام پر باقی رہنے والا فاسق جو کہ بعض کبائر کا ان کی حرمت کے اعتقاد کے باوجود ارتکاب کرتا ہے تو اہل سنت والجماعت اس سے کلی طور پر ایمان کی نفی نہیں کرتے اور نہ معتزلہ وخوارج کی طرح اسے ہمیشہ ہمیش کے لئے جہنم میں دخول کا مستحق قرار دیتے ہیں بلکہ یہ ان کے نزدیک ناقص الایمان مومن ہے جس کے ایمان میں اس کی معصیت کے بقدر نقص واقع ہو چکا ہے یا وہ مومن فاسق ہے اس کو یہ لوگ نہ تو مومن کامل سمجھتے ہیں اور نہ ہی اس کے ایمان کی مطلقاً نفی کرتے ہیں۔

معصیت کے باوجود ایمان کے ثبوت کے سلسلے میں مؤلفؒ نے جو کچھ بیان کیا ہے کتاب وسنت کے دلائل اس کی وضاحت کر رہے ہیں۔ قرآن میں ہے: ﴿يا أيها الذين آمنوا لاتتخذوا عدوي وعدوكم أولياء﴾ ''اے ایمان والو! تم لوگ میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔'' (الممتحنۃ:۱)

اللہ نے معصیت (کافروں سے دوستی کرنا) کے باوجود ایمان کے ساتھ پکارا۔

فائدہ

ایمان اور اسلام دونوں شرعی اصطلاح میں وجود کے اعتبار سے متلازم ہیں ان میں سے کسی ایک کا وجود دوسرے کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جب بھی صحیح اور کامل ایمان کا وجود ہوگا تو اس کے ساتھ ہی اسلام بھی ہوگا اسی طرح اس کے برعکس بھی۔ اسی لئے کبھی کبھی ان میں سے صرف ایک کا ذکر کر دیا جاتا ہے کیونکہ ان میں سے کسی ایک کا ذکر کر دیا جائے تو اس میں دوسرا بھی داخل ہوتا ہے۔ البتہ جب یہ دونوں لفظ معاً ذکر کئے جاتے ہیں تو اس وقت ایمان سے مراد تصدیق اور اعتقاد، اور اسلام سے مراد انقیاد ظاہری ہوگا۔ مثلاً ''اقرار باللسان اور عمل بالارکان'' ... لیکن یہ ایمان کے عمومی مفہوم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے اعتبار سے ہے رہا کامل ایمان تو یہ اسلام کے مقابلے میں خاص ہے۔ اور کبھی ایمان کے بغیر صرف اسلام کا وجود بھی ممکن ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے:
﴿قالت الأعراب آمنا قل لم تومنوا ولكن قولوا أسلمنا﴾ ''دیہاتیوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے (اے نبی) کہدو کہ ابھی تم ایمان نہیں لائے، لیکن کہو کہ ہم نے اسلام قبول کرلیا۔'' (الحجرات:۱۴)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین سے ایمان کی نفی کرتے ہوئے ان کے اسلام کی خبر دی ہے۔ اور حدیث جبرئیلؑ میں تو تین مراتب کا ذکر ہے یعنی اسلام، ایمان اور احسان۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے ماقبل کے مقابلے میں خاص ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فضائل صحابہ اوران کے مراتب

اس فصل میں مؤلفؒ فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کے عقیدے کا ایک اصول جس کے ذریعہ وہ منحرف اور گمراہ لوگوں سے ممتاز اور جدا ہوتے ہیں، یہ بھی ہے کہ یہ لوگ صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی ایک صحابی کو بھی گناہ کی طرف منسوب نہیں کرتے نہ ان کے سلسلے میں طعن وتشنیع کرتے ہیں نہ ہی ان کے لئے بغض وحسد رکھتے ہیں اور نہ ہی انہیں ذلیل وحقیر سمجھتے ہیں، چنانچہ ان کے دل اوران کی زبانیں ایسی تمام چیزوں سے محفوظ ہیں۔ یہ لوگ ان کے سلسلے میں وہی کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کی نسبت بیان کیا ہے: ﴿ ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان﴾ ''اے ہمارے رب! ہمیں معاف کردے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے''۔ (الحشر:۱۰)

یہ دعا ان لوگوں کی جانب سے ہے جو صحابۂ کرام کے بعد اس دنیا میں تشریف لائے اور احسان کے ساتھ ان کی اتباع وپیروی کی صحابہ کے حق میں ان کی یہ دعا ان کی جانب سے ان کی کامل محبت اوران کی جانب سے ان کی ثنا وتحسین پر دال ہے۔ صحابۂ کرام اپنی فضیلت وسبقت اوراپنی عظیم اولیت اور رسول کے ساتھ ان کی خصوصی وابستگی اورامت کے تمام افراد پر اپنے احسانات کے سبب اس محبت وتکریم کے مستحق ہیں، اس لئے کہ انہوں نے ہی ان تمام امور کو لوگوں تک پہونچایا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس لیکر آئے، امت کے تمام افراد کے پاس جو بھی علم اور خبر ہے وہ سب انہی کے واسطے سے ان تک پہونچی ہے۔

اہل سنت والجماعت صحابۂ کرام کی توقیر اوران کا احترام اپنے نبی کی فرماں برداری کی غرض سے بھی کرتے ہیں کیونکہ آپ نے انہیں برا بھلا کہنے اوران کی توہین کرنے سے منع کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تعلق سے اس بات کی بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وضاحت کردی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ایک صحابی کا عمل قلیل کسی دوسرے شخص کے عمل کثیر کے مقابلے میں بھی افضل ہے، یہ ان کے کامل اخلاص اور صدق ایمان کی علامت ودلیل ہے۔

پھر مؤلفؒ نے صحابۂ کرام کے آپسی مراتب بیان کرتے ہوئے فرمایا: اہل سنت والجماعت صلح حدیبیہ سے قبل انفاق فی سبیل اللہ اور جہاد کرنے والے صحابہ کرام کو ان صحابہ سے افضل قرار دیتے ہیں جنہوں نے اس کے بعد انفاق وجہاد کیا۔ اس سلسلے میں نص قرآنی کے موجود ہونے کی وجہ سے ... اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے:﴿ لایستوی منکم من أنفق من قبل الفتح وقاتل أولئک اعظم درجة من الذین أنفقوا من بعد وقاتلوا و کلا وعدالله الحسنیٰ﴾ ''تم میں سے کوئی اس کے برابر نہیں ہوسکتا جس نے صلح حدیبیہ سے قبل خرچ کیا اور جہاد کیا وہ لوگ درجہ میں ان سے زیادہ اونچے ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ کے بعد خرچ کیا جہاد کیا۔ اللہ نے ہر ایک سے جنت کا وعدہ کیا ہے۔'' (الحدید:۱۰)

مؤلفؒ نے ''فتح'' کی تفسیر صلح حدیبیہ سے کی ہے اور یہی مشہور ہے، اور یہی بات صحیح حدیث سے بھی ثابت ہے کہ ''سورۃ الفتح'' صلح حدیبیہ کے فوراً بعد نازل ہوئی تھی۔ اس صلح کو فتح کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں اسلام کے غلبے اس کی قوت وشوکت اور اس کے پھیلاؤ کے سلسلے میں بڑے ہی دوررس نتائج سامنے آئے۔

پھر انصار ومہاجرین کے سلسلے میں اہل سنت کے موقف کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''اور اسی طرح یہ لوگ مہاجرین کو انصار پر فضیلت دیتے ہیں''..... اس کی وجہ یہ ہے کہ مہاجرین میں معاً دو وصف جمع ہوگئے تھے۔ نصرت اور ہجرت۔ اسی لئے تمام خلفاء راشدین اور بقیہ دس صحابۂ کرام بھی مہاجرین میں سے تھے۔ قرآن کی سورۂ توبہ اور سورۂ حشر میں مہاجرین کی انصار پر فوقیت کا ذکر ہے۔ یہ فضیلت اور برتری ایک مکمل جماعت کی دوسری مکمل جماعت پر ہے۔ یہ حقیقت اس کے منافی نہیں کہ انصار میں بھی ایسے افراد ہیں جو بعض مہاجرین سے افضل ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوبکر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے سقیفہ کے دن اپنے خطبے میں کہا تھا: ''ہم مہاجرین اسلام قبول کرنے کے اعتبار سے بھی فوقیت رکھتے ہیں، ہم تم سے پہلے مسلمان ہوئے اور تم پر قرآن کو ہم نے پیش کیا، اس لئے امیر ہم ہیں اور وزیر تم میں سے ہوں گے......''

مؤلفؒ آگے فرماتے ہیں: ''اہل سنت والجماعت اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ نے اہل بدر کے تعلق سے جن کی تعداد تین سوتیرہ تھی یہ فرمایا: ﴿اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم﴾ ''تم لوگ جو جی چاہے کرو کیونکہ میں نے تمہاری مغفرت فرمادی ہے''۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب حاطب بن ابی بلتعہ (جو بدر میں شریک ہو چکے تھے) کے قتل کا ارادہ کیا ان کے بذریعہ مکتوب قریش کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی اطلاع دینے کی وجہ سے، تو اس وقت آپ نے فرمایا اے عمر! تم نہیں جانتے شاید اللہ تعالیٰ اہل بدر سے خوب واقف ہے اسی لئے فرمایا ﴿اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم﴾ ''تم جو چاہو عمل کرو میں نے بخش دیا۔''

مؤلفؒ اہل سنت کے عقیدے کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ جہنم میں ہر وہ شخص داخل نہ ہوگا جس نے درخت کے نیچے بیعت رضوان میں شرکت کی تھی''...... کیونکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنت کی بشارت دی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے تعلق سے قرآن میں فرمایا: ﴿لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرة﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ مومنین سے راضی ہوگیا جب وہ (اے نبی) تم سے درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے۔'' (الفتح:۱۸)

یہ رضامندی ان کی تعذیب سے مانع ہے اور ان کے لئے عزت واکرام اور جزائے خیر کو لازم کرنے والی ہے۔

آگے فرماتے ہیں'' اور اہل سنت ہر اس شخص کے لئے جنت کی شہادت دیتے ہیں جن کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے عشرۂ مبشرہ اور ثابت بن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تماش وغیرہ“ ......

عشرۂ مبشرین یہ ہیں: ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سعید بن زید رضی اللہ عنہ، عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ، ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ، اوران کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام جنہیں آپ نے جنت کی بشارت دی ہے وہ ثابت بن قیس، عکاشہ بن محصن اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں، اور ہروہ صحابی جن کے جنتی ہونے کے سلسلے میں حدیث صحیح وارد ہے۔

خلفائے راشدین کے متعلق مؤلفؒ فرماتے ہیں ”اہل سنت اس بات کا بھی اقرار واعتراف کرتے ہیں کہ جو امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابۂ کرام سے تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں افضل شخص ابوبکر پھر عمر رضی اللہ عنہما ہیں“ ...... مروی ہے کہ علیؓ نے یہ بات کوفہ کے منبر سے فرمائی تھی اور ان سے ایک بڑی جماعت نے سنا وہ کہہ رہے تھے: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے ساتھ ہی ہمیں معلوم ہوگیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم میں سب سے افضل ابوبکرؓ ہیں، اور ابوبکرؓ کی وفات کے ساتھ ہی ہمیں یہ معلوم ہوگیا کہ ان کے بعد ہم میں سے سب سے افضل عمرؓ ہیں۔“

صاحب کتابؒ آگے فرماتے ہیں ”اہل سنت عثمانؓ کو تیسرے اور علیؓ کو چوتھے نمبر پر تسلیم کرتے ہیں“ ...... جمہور اہل سنت کا مسلک یہی ہے خلفائے راشدین کی ایک دوسرے پر فضیلت خلافت میں ان کی ترتیب کی بنیاد پر ہے چونکہ صحابہؓ نے بیعت خلافت میں عثمانؓ کو علیؓ پر ترجیح دی اس لئے یہ لوگ عثمانؓ کو علیؓ سے افضل تسلیم کرتے ہیں۔

بعض اہل سنت علیؓ کو افضل قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کی خصوصیت ومنقبت میں وارد آثار کی تعداد زیادہ ہے جب کہ بعض لوگ اس سلسلے میں توقف اور سکوت کا دامن تھامے ہوئے ہیں۔ بہرحال یہ تفضیلی معاملہ جیسا کہ مؤلفؒ نے ذکر کیا ہے کچھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا ایسا بنیادی مسئلہ نہیں ہے جس میں کوئی قدرے اختلاف رائے سے گمراہ قرار دیا جائے بلکہ یہ ایک فرعی مسئلہ ہے جس میں اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔ البتہ رہا خلافت کا مسئلہ تو اس سلسلے میں یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ عثمانؓ کی خلافت صحیح اور برحق تھی کیونکہ یہ ان چھ افراد کے مشورے سے عمل میں آئی تھی جنہیں عمرؓ نے اپنے بعد خلیفہ منتخب کرنے کے لئے متعین کیا تھا ...... جو یہ خیال رکھے کہ عثمانؓ کی خلافت باطل تھی علیؓ ان سے زیادہ خلافت کے حقدار تھے تو وہ بدعتی اور بھٹکا ہوا انسان ہے اور اس پر تشیع کی چھاپ ہے اور ساتھ ہی اس کا یہ قول مہاجرین و انصار پر عیب لگانے کے مترادف ہے۔

...... اھل بیت ......

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور وہ ہیں آل علیؓ، آل جعفر، آل عقیل، آل عباس، ان سب کا تعلق بنی ہاشم سے ہے، اور بنو المطلب بھی انہیں میں سے ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا ہے "وہ لوگ ہم سے کبھی الگ نہیں ہوئے نہ تو عہد جاہلیت میں اور نہ ہی عہد اسلام میں۔"

چنانچہ اہل سنت والجماعت ان کے مقام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی قرابت کی رعایت کرتے ہیں نیز ان کے اسلام میں پہل کرنے اور اللہ کے دین کی نصرت و تائید میں بہتر کارکردگی کے سبب وہ ان سے محبت رکھتے ہیں۔

"غدیر خم" (جہاں آپؐ نے اہل بیت کے تعلق سے صحابہ کرام کو وصیت فرمائی تھی) اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ایک رنگ ساز کا نام ہے اس نام کی طرف "غدیر" کی اضافت کردی گئی ہے، یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام "جحفہ" میں واقع ہے، ایک خیال یہ بھی ہے کہ خم وہاں کسی حجازی کا نام تھا اس کی جانب "غدیر" کو منسوب کردیا گیا۔

آپؐ نے اپنے چچا سے فرمایا "قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ وہ تم لوگوں سے اللہ اور میری قرابت کی وجہ سے محبت نہیں کریں گے۔''

اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی بھی شخص کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اللہ کے لیئے آپؐ کے اہل بیت سے محبت نہ کرنے لگے۔

۱۔ ... کیونکہ ان کا شمار اس کے ان اولیاء اور فرماں برداروں میں ہوتا ہے جن سے محبت وموالات رکھنا واجب ہے۔

۲...... کیونکہ رسول اللہ کی جانب سے ان کا مرتبہ اور درجہ بہت ہی بلند ہے اور ان کا نسب نامہ بھی آپ سے متصل ہے۔

ازواج مطہرات

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات وہ ہیں جن سے آپؐ نے عقد کیا تھا۔ ان میں سب سے پہلی خدیجہ بنت خویلہ ہیں۔ آپؐ نے بعثت سے قبل مکہ کے اندر ان سے عقد کیا تھا جب کہ آپؐ کی عمر پچیس سال تھی۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا عمر میں آپ سے پندرہ سال بڑی تھیں۔ ان کے انتقال تک آپؐ نے کسی دوسری عورت سے عقد نہیں کیا، ابراہیم کے سوا آپ کی تمام اولاد انہیں کے بطن سے ہوئیں۔ یہ وہ خاتون ہیں جو آپ پر سب سے پہلے ایمان لائیں اور رسالت کی ذمہ داریوں کو اٹھانے اور سنبھالنے کے سلسلے میں آپؐ کی حوصلہ افزائی کی، ہجرت سے تین سال قبل پینسٹھ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔

ان کے بعد آپ نے سودہؓ بنت زمعہ سے عقد فرمایا اور پھر عائشہؓ سے جب کہ ان کی عمر چھ سال کی تھی عقد فرمایا اور جب آپ مدینہ ہجرت کر گئے تو عائشہؓ کی رخصتی ہوئی اس وقت ان کی عمر نو سال تھی۔

آپ کی ازواج مطہرات میں ام سلمہ بھی ہیں ان سے آپ نے ان کے شوہر ابوسلمہ کے انتقال کے بعد نکاح کیا۔ اور زینبؓ بنت جحش سے آپ نے اس وقت عقد فرمایا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب ان کے شوہر زید بن حارثہ نے انہیں طلاق دے دی، ان کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ ﷺ کا ان سے عقد خود اللہ تعالیٰ نے کیا تھا۔

ان کے علاوہ جویریہ بنت حارث، صفیہ بنت حیی، حفصہ بنت عمر اور زینب بنت خزیمہ یہ سب امہات المومنین ہیں اور یہی آخرت میں بھی آپ ﷺ کی بیویاں ہوں گی، ان سب میں سب سے افضل خدیجہ و عائشہ رضی اللہ عنہما ہیں۔

اہل سنت والجماعت کا صحابہ کی شان میں اہل بدعت کے اقوال سے اظہار براءت

مؤلف رحمہ اللہ بعض گمراہ فرقوں کے موقف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''اہل سنت والجماعت روافض کے انداز فکر اور طرز عمل سے براءت کا اظہار کرتے ہیں جو صحابۂ کرام سے بغض رکھتے ہیں اور انہیں برا بھلا کہتے ہیں، اسی طرح ان نواصب کے موقف سے بھی براءت ظاہر کرتے ہیں جو اہل بیت کو اپنے قول و فعل سے تکلیف پہونچاتے ہیں۔'' ......

مؤلف رحمہ اللہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اہل سنت روافض کے اس طرز عمل سے براءت کا اظہار کرتے ہیں جو کہ علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کی شان میں غلو اور ان کے علاوہ دوسرے صحابۂ کرام سے بغض و عداوت رکھنے اور انہیں برا بھلا کہنے اور ان کی تکفیر پر مشتمل ہے۔ انہیں روافض کے نام سے موسوم کرنے والے سب سے پہلے شخص ''زید بن علی'' ہیں کیونکہ روافض نے ان سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ شیخین کی امامت سے براءت کا اظہار کریں تا کہ لوگ آپ سے بیعت کرلیں لیکن انہوں نے ان کی بات ماننے سے انکار کردیا نتیجۃً لوگ ان سے الگ ہوگئے۔ زید بن علی نے ان سے کہا: ''رفضتمونی'' تم لوگوں نے مجھے الگ کردیا۔ اسی دن سے ان لوگوں کا نام رافضہ ہوگیا، اور اسی نام سے موسوم ہونے لگے، ان میں بہت سارے فرقے ہیں، بعض غلو پسند ہیں تو بعض ان سے کمتر۔

اسی طرح اہل سنت والجماعت ''نواصب'' کے انداز فکر سے بھی اپنی براءت کا اظہار کرتے ہیں جنہوں نے محض سیاسی اسباب و معاملات کی بنیاد پر آپ ﷺ کے اہل بیت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے عداوت کا اظہار کیا، لیکن یہ فرقہ اس وقت مفقود ہو چکا ہے۔

مشاجرات صحابہ اور اہل سنت والجماعت

اہل سنت والجماعت صحابہ کرام کے مابین پیدا ہونے والے نزاعات اور مشاجرات کے سلسلے میں بحث وگفتگو کرنے سے اعراض کرتے ہیں، بالخصوص ان مشاجرات کے تعلق سے جو شہادت عثمانؓ کے بعد علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کے مابین ہوئے اور جو اس کے بعد علی، معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کے مابین ہوئے۔ اہل سنت کی رائے کے مطابق ان حضرات پر طعن وتشنیع پر مشتمل جو روایات منقول ہیں وہ یا تو کذب وافتراء کے قبیل سے ہیں یا ان میں تحریف سے کام لیتے ہوئے زیادتی کی آمیزش کی گئی ہے۔ اور اس سلسلے میں جو روایات صحیح وارد ہوئی ہیں ان میں انہیں معذور سمجھتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ لوگ مجتہد تھے اس کے ساتھ ساتھ ان کے حق میں کسی چھوٹے یا بڑے گناہ سے براءت کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا لیکن انہیں ان کی اولیت ان کے فضائل آپ کی صحبت اور آپ کے ساتھ ان کے جہاد میں شرکت کے سبب جو خصوصیات حاصل ہیں ان کی بنیاد پر ان کی جانب سے ہونے والی لغزشیں یقینی طور پر معاف ہوسکتی ہیں، نیز یہ لوگ آپ کی شہادت وگواہی کے بموجب خیر القرون اور سب سے افضل ہیں۔ یہاں تک کہ ان کا ایک مد یا نصف مد انفاق بعد میں آنے والوں کے احد کے برابر سونا خیرات کرنے سے بھی افضل اور بہتر ہے۔ ان کی بے شمار نیکیوں کے سبب ان کی خطائیں معاف کردی گئی ہیں۔

یہاں مؤلفؒ کا مقصد صحابہ کرام سے اس بات کی نفی کرنا ہے کہ صحابہ میں کوئی ایسا رہا ہو جو اس قسم کے گناہ پر اصرار کرتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوا ہو جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہو، بلکہ معاملہ تو یہ ہے کہ اگر فعلاً ان سے کسی خطا کا صدور ہو بھی گیا ہو تو مؤلفؒ کے ذکر کردہ ان امور میں سے کوئی ایک ضرور ہوگا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱ . یا تو موت سے قبل ہی اپنے اس گناہ سے توبہ کر لیا ہوگا۔

۲ ... یا اعمال حسنہ کے سبب سے ان کے گناہ مٹ گئے ہوں گے۔

۳ .. یا بحالت اسلام ان کے سابقہ اعمال حسنہ کے سبب ان کی مغفرت ہوگئی جیسا کہ اصحاب بدر اور بیعت رضوان میں شرکت کرنے والے صحابۂ کرام کی مغفرت ہوگئی۔

۴ . یا آپ ﷺ کی شفاعت کی وجہ سے صحابۂ کرام آپ کی شفاعت کے سبب سب سے خوش قسمت ہوں گے، نیز یہ لوگ آپ ﷺ کی شفاعت کے سب سے زیادہ حقدار بھی ہیں۔

۵ .... یا دنیاوی زندگی میں کسی ایسی آزمائش میں مبتلا کئے گئے جس کے سبب ان کے گناہ مٹ گئے۔

صحابۂ کرام کے تعلق سے اس قسم کا اعتقاد رکھنا جب ان سے سرزد خطاؤں کے سلسلے میں واجب اور ضروری ہے تو ان امور کے سلسلے میں ان کے متعلق کس قسم کا عقیدہ رکھنا ضروری ہوگا جو اجتہادی قسم کے ہیں جن میں خطا معاف ہے۔ پھر اس پر مزید یہ کہ اگر ان امور کا جن میں ان سے خطا سرزد ہوئی ہے ان امور سے موازنہ کیا جائے جو کہ ان کے محاسن اور ان کے فضائل پر مشتمل ہیں تو ان خطاؤں کی حیثیت سمندر میں ایک قطرہ کے برابر بھی نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ جس نے اپنے نبی ﷺ کو منتخب فرمایا اسی نے ہی اپنے اس نبی کے لئے ان کے اصحاب کو بھی منتخب کیا ہے۔ یہ لوگ انبیاء کے بعد سب سے افضل اور اس امت کے ممتاز اور چنندہ لوگ ہیں جو کہ تمام امتوں میں سب سے افضل امت ہے۔

جو شخص صحابۂ کرام کی شان میں مؤلف کے اختیار کئے ہوئے موقف پر غور کرے گا تو اسے ان جاہل و تعصب پسند حضرات کی جانب سے ان پر لگائے گئے الزامات اور بے بنیاد دعوؤں پر حد درجہ تعجب محسوس ہوگا۔ ان کی طرف سے کی گئی تمام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افترا بازیاں اور من گھڑت خیالات کچھ اس نوعیت کے ہیں جو صحابۂ کرام کی حیثیت اور ان کے مرتبے سے متصادم ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی شان ومرتبے کو اصل پوزیشن سے گرانے کے مترادف ہیں نیز ان کے سلسلے میں اہل سنت کے اجماع میں شگاف پیدا کرنے کے بھی مترادف ہیں۔

کرامات اولیاء کے باب میں اہل سنت کا عقیدہ

اللہ رب العزت کی طرف سے اس کے انبیاء کی ہدایات پر عمل کرنے اور ان کی تابعداری کرنے والوں کے حق میں وقوع کرامات کے تعلق سے قرآن وسنت میں تواتر کے ساتھ نصوص وارد ہوئے ہیں۔ نیز قدیم وجدید دور کے بہت سے واقعات بھی ان کی نشاندہی کرتے ہیں۔

کرامت: کسی بھی ایسے خلاف عادت واقعے کو کرامت کہا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے کسی ولی کے ہاتھ سے کسی دینی یا دنیوی معاملے میں اس کی اعانت کرتے ہوئے ظاہر کرے۔ معجزہ اور کرامت کے مابین فرق یہ ہے کہ معجزہ دعوۂ رسالت سے متصل ہوتا ہے جب کہ کرامت کا تعلق رسالت کے دعوے سے نہیں۔

کرامات کی مصلحت اور ان کی حکمتیں

۱۔ کرامت مثل معجزہ کے ہے جو اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور اس کی مشیئت کے نفاذ پر پورے طور پر دلالت کرتی ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادوں میں نہایت ہی فعال ہے۔ اور ان ظاہری وطبعی اسباب وضوابط سے ہٹ کر بھی کچھ ایسے اسباب وضوابط ہیں جنہیں صرف وہی انجام دے سکتا ہے، وہاں تک نہ تو کسی انسان کا علم پہونچ سکتا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی عمل دخل۔

انہیں کرامات کے سلسلے میں ایک ہے واقعۂ اصحاب کہف اور ان پر واقع ہونے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والی وہ نیند اس لمبی مدت میں ڈال دی تھی ساتھ ان کے بدنوں کا تحلیل وفنا ہونے سے محفوظ رکھنا۔ اور انہیں کرامات میں سے ایک ہے مریم علیہا السلام پر اللہ تعالیٰ کا فضل کرنا انہیں اس وقت روزی پہونچا کر جب کہ وہ محراب کے اندر تھیں حتی کہ زکریا علیہ السلام بھی اس سے تعجب کر بیٹھے اور مریم سے سوال کیا: ''یہ سب تمہارے پاس کہاں سے آیا؟'' اسی طرح ایک بڑی کرامت ہے مریم علیہا السلام کا بلا کسی واسطۂ بشر کے حاملہ ہو جانا اور ان سے عیسیٰؑ کی ولادت، اور عیسیٰؑ کا عہد طفولیت ہی میں کلام کرنا۔

۲...... کرامات اولیاء کا وقوع درحقیقت انبیائے کرام کے لئے معجزہ ہے کیونکہ اولیاء کی جانب سے کرامتوں کا صدور و وقوع انبیائے کرام کی متابعت کرنے اور ان کی ہدایات پر عمل پیرا ہونے کے سبب ہی ہوتا ہے۔

۳...... کرامات اولیاء درحقیقت ان کے لئے خوشخبری و بشارت ہے جسے اللہ نے دنیا ہی میں ظاہر کر دیا۔ بشارت سے مراد ہر وہ امر جو اللہ تعالیٰ سے ان کی قربت اور ان کے بہترین انجام کی ضامن ہے اور کرامات کا تعلق انہیں چیزوں سے ہے۔

اس امت میں برابر کرامات کا وجود رہا ہے اور قیامت تک اس کا سلسلہ منقطع نہ ہوگا، اس کی سب سے بڑی دلیل ہے مشاہدہ!...... فلاسفہ انبیاء کرام کے معجزات کی طرح کرامات کے بھی منکر ہیں۔ کرامات کے منکرین میں معتزلہ اور بعض اشاعرہ بھی ہیں ان کے پاس ان کے انکار کا سب سے بڑا سبب ہے ان کا یہ دعویٰ ہے کہ کرامات کو تسلیم کرنے کی صورت میں معجزات سے التباس لازم آتا ہے جب کہ ان کا یہ دعویٰ بے بنیاد اور باطل ہے کیونکہ جیسا کہ ہم نے کہا کہ کرامت دعویٰ رسالت سے متصل نہیں ہوتی۔

لیکن یہاں ان شیطانی اعمال وشعبدہ بازیوں سے آگاہ ہونا ضروری ہے، جنہیں بدعتی اصحاب طریقت جو خود کو صوفی کا نام دیتے ہیں، انجام دیتے ہیں، جیسے آگ میں داخل ہو جانا، خود کو ہتھیار سے مارنا، اژدہوں کو پکڑ لینا اور غیب کی خبریں دینا ان باتوں کا کرامات سے کوئی تعلق نہیں، کرامات تو اللہ کے سچے اولیاء کیلئے ہیں، یہ تو شیطان کے اولیاء ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منہج اہل سنت والجماعت

اس فصل میں اصولی مسائل کی تعیین کے بعد دین کے تمام اصولی وفروعی احکام کے استنباط کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت کے منہج کو بیان کیا گیا ہے۔ اور اس سلسلے میں ان کا یہ منہج تین اصولوں پر قائم ہے۔

۱…… اللہ کی کتاب جو کہ سب سے اچھا اور سچا کلام ہے یہ لوگ اللہ کے کلام پر کسی کے بھی کلام کو ترجیح نہیں دیتے۔

۲……سنت رسول اور آپ کی جانب سے منقولہ جملہ ہدایات اور نظام، اہل سنت والجماعت ان پر کسی دوسرے انسان کے طریقے اور نظام کو فوقیت نہیں دیتے۔

۳……اجماع، جو کہ بدعت وخرافات اور تفرق وانتشار کے ظہور سے قبل اس امت کے صدر اول میں واقع ہوا تھا۔

صدر اول کے اجماع کے بعد آئے ہوئے لوگوں کے اقوال ومذاہب کو ان تینوں اصول یعنی قرآن وسنت اور اجماع کی کسوٹی پر جانچا اور پرکھا، اگر یہ ان کے موافق ہوئے تو انہیں قبول کر لیا ورنہ رد کر دیا، خواہ ان کا کہنے والا کوئی بھی ہو، اور یہی منہج، معتدل اور صراط مستقیم ہے جس پر چلنے والا کبھی بھٹک نہیں سکتا اور جس کی اتباع کرنے والا کبھی نامراد نہیں ہو سکتا۔

یہ طریقہ اور منہج نصوص کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہوئے کتاب اللہ کی تاویل، صحیح احادیث کا انکار اور اجماع سلف کی پرواہ نہ کرنے والوں اور بغیر عقل وبصیرت ہر قول کو رطب ویابس صحیح ومستقیم کی پرواہ کئے بغیر تسلیم کر لینے والوں کے مابین میانہ روی اور اعتدال پسندی پر مبنی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہل سنت والجماعت کے اوصاف واخلاق

مؤلف نے اس فصل میں مکارم اخلاق کا ایک مجموعہ اور اس کی فہرست بیان فرمائی ہے جن سے اہل سنت والجماعت متصف ہیں۔ مثلاً

۱۔...امر بالمعروف، نہی عن المنکر۔

معروف: ہر اس شئ کو کہا جاتا ہے جس کا حسن اور اچھائی شریعت اور عقل دونوں سے معلوم ہو۔

منکر: شرعی وعقلی اعتبار سے ہر قبیح شئ منکر کہلاتی ہے۔

اہل سنت اس فریضے کو شریعت کی طرف سے واجب کردہ سمجھ کر ادا کرتے ہیں جیسا کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روک دے، اگر طاقت نہیں ہے تو زبان سے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے (اسے برا جانے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔'' (مسلم)

۲...... جمعہ، جماعت، حج اور جہاد میں امراء کے ساتھ حاضر ہونا، خواہ وہ امراء کیسے بھی کیوں نہ ہوں، کیونکہ آپؐ نے فرمایا ہے ''ہر نیک وفاجر کے پیچھے نماز پڑھ لو۔''

۳..... ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنا، کیونکہ آپ کا ارشاد ہے ''دین سراسر خیر خواہی کا نام ہے۔''

۴ .....ایک دوسرے کے ساتھ نرمی، محبت اور نصرت ومدد کے برتاؤ وغیرہ جیسی ایمانی اخوت و بھائی چارگی کے نتیجے میں واجب ہونے والی چیزوں کی صحیح فہم۔ جیسا کہ ان احادیث کا منشا ہے جن میں آپؐ نے مومن کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار اور اس عمارت سے تشبیہ دی ہے جس کی اینٹیں باہم مربوط ہوں۔ یا ایسے جسم سے تشبیہ دی ہے جس کے اعضاء ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں۔

۵......خیر اور مکارم اخلاق کی دعوت۔ چنانچہ یہ لوگ مصائب پر صبر، نعمت پر شکر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ادا کرنے اور اللہ کی قضاء وقدر پر راضی رہنے وغیرہ کی دعوت دیتے ہیں۔

ان کے علاوہ تمام امور بھی ہیں جنہیں مؤلف نے ذکر کیا ہے۔

اس کے بعد مؤلف نے دین خالص کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے والوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہا" وہ یہی اہل سنت والجماعت ہیں ان میں صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں ... اور انہیں میں دین ودعوت کے مجددین اور رشد وہدایت کے آئمہ ہوا کرتے ہیں" ... .

صدیق: مبالغے کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے بہت زیادہ تصدیق کرنے والا، اس امت کے صدیق اول ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

الشھداء: یہ شہید کی جمع ہے، شہید وہ شخص ہے جو معرکے میں قتل کیا جائے۔

متن میں ایک جگہ "الابدال" کا لفظ آیا ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس دین کی تجدید اور اس کے دفاع میں ایک دوسرے کے بعد آتے رہے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر سو سال کے بعد ایک ایسے شخص کو بھیجتا ہے جو اس کے دین کی تجدید کرتا ہے۔ واللہ اعلم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست مشمولات

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆☆☆

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ